

قاتلان حسین کا مذہب

سیرۃ النبی

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء سید علی نقی نقوی صاحب قبلۃ طاب ثراہ

<http://alinaqinaqvi.blogspot.in/>
<http://www.slideshare.net/changezi>

سلسلہ اشاعت امامیہ مشن (الہند) ما



قاتلان حسین کا مذہب

(ساقیوں ایدیشن)

مصنف

ایم اے اللہ العظمیٰ السید العلماء سید علی نقی طاب ثوابہ

امامیہ مشن علی گڑھ

میرزا علی

سلسلہ اشاعت امامیہ مشن (الہند) ط

تہذیبِ کتب

رسالتوں اور کتابوں کی اشاعت
میں

مصنفہ

آیت اللہ العظمیٰ سید العلماء سید علی نقی حسا قبلہ طلبہ

امامیہ مشن (الہند) علی گڑھ
سربراہ

امامیہ کی پہلی دینی خدمت کا سائناتواں عکس

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
لفظ "شیعہ" عربی زبان سے لیا گیا ہے جس کے لغوی معنی فرقہ یا گروہ یا جماعت کے ہیں۔ اسی سے تشیع بنا ہے جس کے معنی ہیں، کسی گروہ یا جماعت میں شامل ہونا۔ قرآن کریم میں بھی بعض مقامات پر یہ لفظ استعمال کی گئی ہے مثلاً جناب ابراہیمؑ کے بیان میں ارشاد ہوتا ہے: **وَانْ مِنْ شِیْعَتِهِ** (سورہ صافات آیت ۸۳) اور یقیناً ابراہیمؑ اسی (خدا) کے شیعوں میں تھے۔ یا دوسرے مقام پر جناب موسیٰؑ کے واقعہ کے ذیل میں **هٰذَا مِنْ شِیْعَتِهِ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهِ** (سورہ قصص آیت ۱۵) وہ ان کے گروہ والوں میں سے تھا اور وہ ان کے دشمنوں میں سے تھا۔

شیعیت کی ابتداء حیات طیبہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہی ہو گئی تھی چاہے یہ جماعت کتنی ہی مختصر رہی ہو لیکن اپنا وجود رکھتی تھی اور سلمان، ابوذر، مقداد اور عمار رضوان اللہ علیہم جماعت شیعان علیؑ کے سرگروہ تھے۔ (تاریخ شیعہ کا مختصر خاکہ، سرکار سید العلماء و طالب شراہ)۔

بعد کے دور میں قتل خلیفہ ثالث کے بعد یا تا عہد دنیا سے اسلام دو طبقوں میں بٹ گئی۔ ایک وہ جو حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کے حامی تھے شیعان علیؑ کہلائے اور دوسرے جو آپ کے مخالف تھے شیعان عثمان کہلائے۔

اب جب کہ لفظ شیعہ اردو زبان میں داخل ہو گئی ہے تو "شیعہ علیؑ"، مخفف ہو کر صرف "شیعہ" ہو کر رہ گیا ہے اور اس سے وہ خاص فرقہ اسلامی مراد لیا جاتا ہے جو حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب کو بعد پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی سے

ب

افضل اور امام معصوم منصوص من اللہ ماننا ہے۔

محرم ۱۳۵۱ھ میں لکھنؤ میں مولوی عبدالشکور صاحب نے ایک ہنگامہ خیز کتاب لکھی جس میں انہوں نے لکھا کہ قاتلانِ حسین شیعہ تھے۔ اس پر شیعوں اور سنیوں کے درمیان شدید خلفشار رہا حالانکہ مولوی صاحب نے غلط نہیں لکھا تھا بلکہ بات دھوری چھوڑ دی تھی۔ اگر وہ یہ لکھ دیتے کہ قاتلانِ حسین شیعہ عثمان تھے تو کوئی ہنگامہ بھی نہ ہوتا اور زیر نظر کتاب کی ضرورت بھی باقی نہ رہ جاتی۔

بہر حال وقت کی ضرورت کے پیش نظر سرکارِ آیت اللہ العظمیٰ سید العلماء مولانا سید علی نقی صاحب قبلہ طاب ثراہ نے، جو ابھی ابھی عراق سے تکمیل اجتہاد کے بعد وطن واپس تشریف لائے تھے، باوجود اس کے کہ آپ مناظرہ کے میدان کے شہسوار نہیں تھے، تاریخی تحقیق کی روشنی میں مولوی عبدالشکور صاحب کی کتاب کی رد میں ایک سلسلہ مضامین سرفراز اخبار میں لکھا جو سات قسطوں میں شائع ہوا۔ اور اسی کو جناب ابن حسین صاحب نقوی مرحوم نے مستقل تصنیف کی صورت سے امامیہ مشن کے سلسلہ اشاعت کی پہلی کڑی کے طور پر ”قاتلانِ حسین کا مذہب“ کے عنوان سے شائع کیا۔

”قاتلانِ حسین کا مذہب“ کا پہلا ایڈیشن محرم ۱۳۵۱ھ میں، دوسرا ایڈیشن صفر ۱۳۵۱ھ میں، تیسرا ایڈیشن کچھ اضافوں کے ساتھ ذی الحجۃ ۱۳۵۱ھ، چوتھا ایڈیشن ۱۳۵۵ھ میں اور پانچواں ایڈیشن ۱۳۸۵ھ میں شائع ہوا۔ پھر تقریباً دس برس کے بعد جناب سید نظیر حسین صاحب مرحوم نے چھٹاں ایڈیشن بھی شائع کیا۔ کتاب کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ اب بھی ہر طرف سے اس کی مانگ ہے اور کتاب نایاب ہو چکی ہے۔ اسی کے پیش نظر اب یہ ساتواں ایڈیشن حاضر ہے۔

سرکارِ مرحوم نے بڑی دقتِ نظر اور تحقیق سے کام لے کر ثابت کیا ہے کہ قاتلانِ

حسین ان معنوں میں شیعہ نہیں تھے جن معنوں میں ہندوستان میں اردو زبان میں یہ لفظ بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ یعنی وہ شیعانِ علی نہیں بلکہ ان کے غیر تھے۔

تمہید کے طور پر یزید اور اس کے باپ دادا کے مذہب پر روشنی ڈالی گئی ہے اور مستند تاریخوں کے حوالے سے یہ واضح کیا گیا ہے کہ وہ اپنے قدیم مذہب جاہلیت پر باقی تھے اور یزید کے نزدیک نبوت اور رسالت معاذ اللہ ایک کھیل تھا اور وحی اور فرشتہ خواب و خیال جیسا کہ ص ۱۴ پر درج اس کے اشعار سے ظاہر ہوتا ہے۔

ص ۲ سے ص ۳ تک قاتلانِ حسین کے مذہب پر اجمالی نظر کے عنوان سے سیر حاصل بحث کی گئی ہے جس سے یہ نتیجہ نکلا کہ ان کا فرقہ شیعہ سے کوئی تعلق نہ تھا۔

ص ۳ سے ص ۵ تک قاتلانِ حسین کے مذہب پر تاریخی شواہد اور نصوص کے عنوان سے جو بحث ہے وہ قاتلانِ حسین کے مذہب کی صحیح ترجمانی کرتی ہے اور جب تک وہ نصوص و شواہد تاریخ میں محفوظ اور موجود ہیں کوئی پڑھا لکھا اور صاحبِ شعور انسان قاتلانِ حسین کو شیعہ کہنے کی حاجت نہیں کر سکتا۔

ص ۵ سے ص ۹ تک کامضمون عام اہل کوفہ کا مذہب کے عنوان کے تحت ہے جس میں یہ دکھلایا گیا ہے کہ کوفہ کے عوام کی اکثریت کا بھی مذہب شیعہ سے کوئی تعلق نہیں تھا بلکہ وہ لوگ وہ تھے جنہوں نے حضرت امیر المومنین کو جو تھے خلیفہ کے روپ میں قبول کیا تھا اور انھیں نے امام حسن علیہ السلام کے ساتھ یونانی بھی کی تھی اور وہی قاتلانِ حسین علیہ السلام میں بھی شامل تھے۔ ہاں اہل کوفہ میں جو شیعہ تھے ان کی اکثریت، کربلا میں امام حسین علیہ السلام پر تصدق ہو گئی تھی اور ان کے قاتل تھے وہی یزیدی اہل کوفہ جو قاتلانِ حسین تھے، ہاں جو ان سے بچ رہے تھے انھوں نے یسمان بن مردخزاعی اور مختار بن ابی عبیدہ ثقفی رضوان اللہ علیہم کی سرکردگی میں انتقامِ خونِ حسین کی مہمات میں سردھڑکی بازی لگا دی اور اپنی جان جان آفریں کے

سپرد کردی۔ اس طرح تاریخی حیثیت سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی کہ قاتلانِ حسین علیہ السلام میں سے کوئی بھی جماعت شیعہ کی فرد نہیں تھی۔

ص ۹۹ سے ص ۱۱۳ تک قاتلانِ حسینؑ کی روپوشی کے بہانے کے عنوان سے یہ دکھلایا گیا ہے کہ اصحابِ امیر المومنینؑ جو آپ کے ساتھ جمل و صفین میں شریک ہوئے تھے وہ بھی سب کے سب شیعہ نہیں تھے بلکہ ان کی اکثریت وہ تھی جس نے امیر المومنین علیہ السلام کی بیعت بھی چوتھے خلیفہ کی حیثیت سے کی تھی جو عقائدِ شیعہ کے خلاف ہے۔ اور انھیں لوگوں نے بعد میں امام حسن علیہ السلام سے بھی غداری کی تھی۔ اس طرح ثابت ہو گیا کہ نہ عام اہل کونہ شیعہ تھے اور نہ ہی قاتلانِ حسین کو ہی مذہبِ شیعہ سے کوئی علاقہ تھا۔ لہذا انھیں شیعہ ثابت کرنا سعیِ لا حاصل ہے۔

بحمد اللہ بوفیقِ الہی امامیہ مشن کی انیسویں سال گرہ کے تحفہ کے طور پر قاتلانِ حسینؑ کا مذہب، ساتویں بار جامعہ طباعت سے آراستہ ہو کر آپ کے ہاتھوں میں پہنچ رہا ہے اور اب تو یہ تبرک بھی ہے جو موسس مشن سرکارِ آیتہ اللہ العظمیٰ سید العلماء الحاج مولانا سید علی نقی صاحب قبلہ طاب ثراہ کی یاد تازہ کرے گا۔ لہذا مشن اپنے قارئینِ کرام سے ملتے ہے کہ وہ سرکارِ مرحوم کو سورۃ فاتحہ کے نذرانہ عقیدت پیش فرمائیں جنہوں نے اپنی میراث میں ایک گرانقدر ذخیرہ ہمارے لئے چھوڑا ہے جو ایک عظیم علمی سرمایہ ہے۔

والسلام
مسئد تفسیر الحسن نقوی

آنریری جنرل سکرٹری

مائنیشنل کالونی،

سول لائنس، علی گڑھ

یکم محرم الحرام ۱۴۱۰ھ

فہرست رسالہ "قاتلان حسینؑ کا مذہب"

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۲	حسین سے بیعت کا آخری	۳	۱	تمہید قتل حسینؑ کا اصل بانی	۳
۲۵	مطالبہ اور آپ کا انکار	۴	۲	اور اس کا موروثی مذہب	۴
۱۳	یزید کی خلافت کس مذہب	۴	۳	ابوسفیان	۴
۲۸	میں درست ہے؟	۵	۴	معاویہ	۵
۱۴	سایح خلفاء کے تصریحات	۱۲	۵	یزید	۱۲
۱۵	قاتلان حسینؑ کے مذہب پر	۱۶	۶	قتل حسینؑ کے دو سر ذرا	۱۶
۳۱	تاریخی شواہد مخصوص	۱۷	۷	ابن زیاد	۱۷
۳۲	کوفہ سے یزید کے نام خط	۱۸	۸	عمر سعد	۱۸
۱۷	فاصلہ ابن زیاد اور	۱۹	۹	عام قاتلان حسینؑ	۱۹
۳۳	ابو اشعث و کندی کی گفتگو	۲۰	۱۰	قاتلان حسینؑ کے مذہب	۲۰
۳۶	ابن زیاد کا خط عمر سعد نام	۲۱	۱۱	پر اجمالی نظر	۲۱
۱۹	عمرہ بن قیس کی گفتگو	۲۲	۱۲	قتل امام حسینؑ کی بنیاد کی بحث	۲۲
۳۸	زمہ بن قین کے ساتھ	۲۳	۱۳	یزید کی خلافت اور طلب بیعت	۲۳
۳۹	پیر سہدائی کا مباہلہ	۲۴	۱۴	امام حسینؑ کا انکار اور	۲۴
۴۲	قاتل بربر کے اٹھا	۲۵	۱۵	مدینہ سے مسافرت	۲۵

صفحہ	مضمون	نمبر شمار	صفحہ	مضمون	نمبر شمار
	امام کو دعوت دینے والے	۳۱	۲۲	تاج بن ہلال کی گفتگو	۲۲
۸۷	شیعوں کی وفاداری		۲۳	عمر بن ابی حجاج کی تقریر	۲۳
	حضرت سلم کی ناسمجگی	۳۲	۲۴	ابن زیاد کا خطبہ	۲۴
	اور کوفہ کی خوش گواہی		۲۵	زحر بن قیس کا اظہار	۲۵
	سلم کی شہادت اور	۳۳	۲۶	حاکم مدینہ کا اقرار	۲۶
	انقلاب کوفہ کے حلال		۲۷	عام اہل کوفہ کا مذہب	۲۷
	انساب		۲۸	شیعیان کوفہ کی قتل حسین	۲۸
	جماعت شیعہ کی بدگواہی	۳۴		سب سے قلعی	
	اور اس پر تاریخی نصوص و شواہد	۳۵	۲۹	کوفہ میں جماعت شیعہ کی تعداد	۲۹
۹۹	قاتلان حسین کی پوشی کھانے	۳۵	۳۰	اہل کوفہ کے خطوط اور	۳۰
۱۱۳	مخالف کی عجیب غریب تحریف	۳۶	۴۱	رہائے عام کی نوعیت	۴۱



وَلِلّٰهِ الْمَدَدُ وَالْحَقُّ يَنْصُرُ الْمُتَّقِينَ

مہمید : کہنے کو قاتلانِ حسینؑ مسلمان تھے اور اسی بنا پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ اسلام کے کس فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن تاریخی واقعات اس حقیقت کو بالکل بے نقاب کر دیتے ہیں کہ درحقیقت وہ نام نہاد مسلمان اسلام سے دور کا بھی علائقہ نہ رکھتے تھے۔

مذہب اُن کی نظر میں ایک خود ساختہ گھر نہ تھا اور دین و ایمان زادہ فریب بیکار کا ڈھکوسلا تھا۔ وہ دنیاوی جہاد و ثروت اور مادی ترقی و کامیابی کے آگے کسی دوسرے عالم اور اس عالم کی جزا و سزا کا بادر و کرنا تو درکنار اُس کا خیال بھی ذہن میں نہ لاتے تھے۔ لہذا ہی اُن کا حقیقی مذہب مددِ بے دینی اُن کا دین و اُمین تھی جس کے مظاہرات بھی سب موقع اُن سے ہو جایا کرتے تھے اور ان ہی مظاہرات کو تاریخ نے امانت داری کے ساتھ ہم تک پہنچا کر ہم کو اُن کی باطنی نیتوں پر حکم لگانے کا موقع دے دیا ہے۔

قبلِ حسینؑ کا اصلی بانی یزید بن معاویہ ہے جس نے کفر و احماد اور لاد مذہب ہی سرکارِ مبدائی تھی اور اس کا اثر تھا جو جاہلیت و اسلام میں بجا بر ظاہر ہو تا رہا۔

ابوسفیان جس کے ہاتھوں اسلام کو اپنے ابتدائی وسطی دور میں سخت مصیبت
اور خطرناک مواقع کا مقابلہ کرنا پڑا تھا اور بدردہ احد و احزاب صرف اسی کی عداوت
اسلام کے کرشمہ تھے وہ اگرچہ فتح مکہ کے موقع پر رسول اسلام کے قدرتی جہاد و جلال سے
موجوب ہو کر تسلیم خم کر چکا تھا، لیکن کفر و شرک نفاق کی صورت میں ہو کر اس کے
دل میں ہمیشہ مضمر رہا اور مصلحت وقت کے باعث اس کو چھپائے رکھنے کی کوشش
کے باوجود وہ اکثر مواقع پر سامنے بھی آتا رہا، یہاں تک کہ جنگ یرموک میں جب کہ
مسلمانوں کا مقابلہ سلطنت روم کے لشکر سے تھا اور معرکہ کارزار گرم تھا اس وقت
ابوسفیان دور سے کھڑا ہوا تماشا دیکھ رہا تھا۔ جب رومیوں کو غلبہ حاصل ہوتے
ہوئے نظر آتا تھا تو کہتا تھا:

"ایہ بنی الاصفہ" یعنی شاہ اشائے ملک روم کے بہادر و! اور جب
مسلمانوں کو ذرا تقویت ہوتی تھی تو ابوسفیان کی زبان سے حسرت و یاس کے ساتھ
یہ شعر نکلتا تھا:

و بنو الاصفہ الملوك ملوك
الروم لعمريق منهم مذکور
ہے افسوس کہ سلطنت روم کے پر شوکت بادشاہوں کا نام مٹے ہوئے
نظر آتا ہے۔

عبداللہ بن زبیر نے اس واقعے کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اپنے باپ زبیر سے بیان کیا اس
وقت کہ جب مسلمانوں کو کامل طور پر فتح حاصل ہو چکی تھی تو زبیر نے کہا قاتلہ اللہ
یابی الاغفاقا اولسنا خیر الہ من بنی الاصفہ خدا اس سے سمجھے یہ نفاق سے باز
نہ لگے گا، کیا ہم اس کے لیے رومیوں سے بہتر نہیں ہیں (دیکھو، سیتاب ابن عبد البر)

اور جب مسلمانوں کی خلافت میرے دود میں بنی اُمیہ تک پہنچی اور حضرت عثمان خلیفہ بنائے گئے اس وقت ابوسفیان اپنی عمر کے انتہائی دور میں تھا، اور آنکھوں سے بھی معذور ہو چکا تھا، یہ خبر سن کر عثمان کے پاس آیا اور کہا کہ عرصے کے بعد اب یہ خلافت تم تک پہنچی ہے اس کو تم گیند کی طرح جھڑکا ہو کر دوش دو اور بنی اُمیہ کے ذریعے سے اس کی بنیادوں کو مضبوط کرو اس لیے کہ جو کچھ ہے وہ بھی نیا و سلطنت، وہ گیا جنت و دوزخ اس کو تو میں کچھ سمجھتا نہیں۔ یہ واقعہ بھی ابن جریر کی کتاب استیعاب میں جو مصر کے بعد حیدر آباد میں طبع ہوئی موجود ہے۔ ان دونوں تاریخی واقعوں سے ابوسفیان کے اسلام کی حقیقت کھل جاتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ سینہ کی ہڈیوں کے اندر کفر و الحاد کے کیسے جو اشم پرورش پا رہے تھے۔

اسی ابوسفیان کے خلیفہ وجائین معاویہ تھے جن کے متعلق زبان کھولنے کے لیے بہت بڑی جرات کی ضرورت ہو اس لیے کہ عام مسلمانوں نے انھیں بڑھا چڑھا کر بڑے مرتبوں پر پہنچا دیا ہے لیکن مورخین اہلسنت مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اکثر واقعات کے اظہار میں کسی ذاتی رجحان اور خارجی دباؤ کا اثر نہیں دیا ہے بلکہ حقائق کو اصل صورت میں پیش کر دیا ہے اگرچہ وہ خود انہی میں سے کسی کے مسلک عقیدے کو ملایا سنٹ کر دیں۔ معاویہ کی نظر میں مذہب کی وقعت جتنی تھی وہ اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ حقائق جاشمی اور جاریہ بن قدامہ اور اسحق بن یمنوں شخص امیر معاویہ کے دربار میں حاضر ہوئے معاویہ نے جاریہ اور اسحق کو حقائق سے زیادہ جائزہ عطا کیا جس پر حقائق نے آکر شکایت کی گروپ نے فلاں دو شخصوں کو میرے اوپر ترجیح دی اور ان کا مجھ سے زیادہ لحاظ کیا۔ معاویہ نے

جواب دیا کہ اُن سے میں نے اُن کا دین و مذہب مول لے لیا ہے۔ حقانے کہا کہ
پھر تم سے میرا دین خرید لیجیے (ملاحظہ ہو استیعاب مطہرہ و ائمة المعارف حیدرآباد
جلد اول صفحہ ۱۵۳ و اسد الغابہ ابن اثیر جزوی جلد ۱ صفحہ ۲۴۹)

اسی نوعیت کا واقعہ ابن اثیر جزوی نے کامل التواریخ میں لکھا ہے کہ مغیرہ
بن شعبہ نے بصرہ سے دس آدمیوں کو ۲۰ ہزار درہم و ثروت کے ساتھ نیرید کیالی
عہدی پر رخصت کر کے اپنے بیٹے موسیٰ بن مغیرہ کی مصیبت میں معاویہ کے پاس بھیجا
اور اُن لوگوں نے معاویہ کے سامنے نیرید کی جانشینی پر اظہار مسرت کیا۔ اس وقت
معاویہ نے آہستہ سے موسیٰ بن مغیرہ سے پوچھا کہ سچ بتانا کہنے کو تیرے باپ نے ان
لوگوں سے اُن کے دین و ایمان کو خرید لیا ہے۔ موسیٰ نے کہا تیس ہزار درہم کو۔

ان دونوں واقعوں سے صاف ظاہر ہے کہ دین و مذہب کی ان فظروں
میں کوئی وقعت نہ تھی اور روپیہ اشرافیوں یا صرف ظاہری آؤ بھگت پر لوگوں
سے اُن کے دین و آئین کو خرید کر لانا مذہبیت کو رواج دیا جا رہا تھا۔

اسلام کا مشہور و معروف مسلم الشہوت مؤرخ اور امام فن محمد بن جریر طبری اپنی
تاریخ میں سندھ، ہجری کے واقعات لکھتے ہوئے رقم طراز ہے کہ عمرو عاص اہل مصر
کی ایک جماعت کے ساتھ معاویہ کے پاس دار الخلافہ منام باریابی کے لیے آیا۔
یہ وہ زمانہ تھا کہ عمرو عاص معاویہ سے کسی حد تک برسرِ پُناش تھا، اُس
نے ان لوگوں کو سکھایا کہ دیکھ جب تم معاویہ کے دربار میں جانا تو اُسے خلیفہ کہہ کر
سلام نہ کرنا اور جہاں تک ممکن ہو اُس سے حقارت کے ساتھ بات کرنا، اس کی
وجہ سے تمہاری ہیبت اُس کے دل پر قائم ہوگی، معاویہ کو جب ان لوگوں کے

تپہنچنے کی اطلاع ہوئی وہ اپنی ذہانت سے عمرو حاص کی سازش کو تار و خنج سے
 اور دربانوں سے کہا میری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ نابغہ کے لڑکے عمرو حاص نے
 ان لوگوں کی نظر میں میری منزلت کو گھٹا دیا ہوگا، لہذا تم خیال رکھو جب یہ
 لوگ تمہیں تو ان کے ساتھ انتہائی سختی کرنا، یہاں تک کہ ہر شخص کو ان میں
 سے یقین ہو جائے کہ اس کی جان کی خیر نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سب سے پہلے
 جو شخص معاویہ کے سامنے دربار میں حاضر ہوا وہ یوں آکھل بکھلایا السلام
 علیک یا رسول اللہ میں پھر کیا تھا سب نے اسی کی موافقت کی اور جو آیا اس
 نے معاویہ کو رسول اللہ کہہ کر سلام کیا (تاریخ طبری جلد ۱ صفحہ ۱۴۷ مصر)

ضروری اہم تبصرہ

اس روایت کے مقدمہ میں حنفی حمایت بھی موجود ہے قال ولبس
 معاویۃ یوماً عمامۃ الحرقانیۃ واکتخل وکاف من اجل الناس
 اذا فعل ذلك شك عبد الله فيه سمعہ اولہ لم یسمعہ معاویہ نے ایک
 روز اپنا عامر حرقانیہ پہنا اور سرحد لگایا اور وہ جب ایسا کرتے تھے تو ان کے
 حسن و جمال کی انتہا نہ رہتی تھی۔ عبد اللہ کو اس میں شک ہے کہ اس کو سنا تھا یا نہیں۔
 وہ لوگ جو معاویہ کے ہر طرز عمل کی حمایت کرتا اور ان کی ہر بات کو بنانا خواہ
 گئی ہی غیر قابل تاویل ہوا اپنا وطیرہ منصفی سمجھتے ہیں۔ انھیں کوئی تعجب نہیں ہے
 کہ اس عبارت کے آخری فقرے کے اندر دو جہتوں میں شک کا سہما مل جائے اور
 فوراً شك عبد الله فيه سمعہ اولہ لم یسمعہ کے معنی یہ کہہ دیں کہ ”اس

روایت کا راوی عبد اللہ شاکر تھا ہے کہ حضرت معاویہ نے اس لفظ کو سنایا نہیں
 لیکن افسوس ہے کہ روایت پر شروع سے آخر تک ایک گھپلتی ہوئی نظر بھی
 جو ڈالی جیسے وہ اس خیال کو بے بنیاد ثابت کر دیتی ہے حدیثی عبد اللہ بن
 بن احمد قال حدیثی ابی قال حدیثی سلیمان قال قواۃ علی عبد اللہ
 عن قلیح قال اخبرت۔

اس سلسلے سے صاف ظاہر ہے کہ عبد اللہ ابتدائی راوی ہے یا وسطی جو سلسلہ
 سند کے بیچ میں واقع ہوتا ہے اور وہ موقع واردات پر موجود نہ تھا اور واقعہ اس کا
 چشم دید نہ تھا بلکہ اس تک واقعے کی خبر دو راویوں کے واسطے سے پہنچی ہے لیکن
 صورت حال کی بنا پر شک کرنا کہ معاویہ نے سنا تھا یا نہیں اس راوی کا حق ہر
 جو واقعے کا دیکھنے والا اور موقع پر موجود تھا وہ اگر اس میں شک کا اظہار کرتا کہ
 معاویہ نے سنا یا نہیں تو واقعے میں شاید ابہام پیدا بھی ہو جاتا لیکن اس نے
 تو بہت صفائی کے ساتھ اصل واقعے کو نقل کیا ہے جس میں کسی شک و شبہ کا
 اظہار نہیں ہے اب کئی طبقوں کے بعد کا جو راوی ہے وہ کہے کہ مجھ کو شک ہے معاویہ
 نے سنا تھا یا نہیں کہاں تک قابل قبول ہو سکتا ہے۔

در حقیقت شاکر فیہ سمعہ اولہ لیسہ معہ کے یہ معنی قرار دینا بالکل
 اصول کلم اور آئین گفتگو کے خلاف اور سراسر غلط ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ گزشتہ روایت
 کے ختم ہونے کے بعد جو سلم عیشیت دیکھتی تھی قال کے مستقل عنوان سے راوی نے کچھ
 اور باتیں معاویہ کی نقل کی ہیں اور وہ یہ کہ معاویہ نے ایک دن اپنا علم خرقانیرہ
 باندھا اور یہ کہ جب وہ ایسا کرتے تھے تو انتہائی حسین معلوم ہوتے تھے۔ اس کڑے

کے متعلق راوی عبد اللہ کو شک ہے کہ یہ بھی انھوں نے (یعنی عبد اللہ نے) اپنے سے واقعہ کے بیان کرنے والے راوی (اپنے باپ یا قلیح) کی زبانی سنا تھا یا نہیں اس کو اصل روایت سے کوئی تعلق نہیں ہے، اگر ایسا بھی ہو کہ یہ فقرہ راوی کا اصل واقعہ سے تعلق رکھتا ہے تو بھی وہ حقیقتاً راوی کے حسنی ظن اور خوش عقیدگی کا نتیجہ ہے کہ وہ بھی معاویہ کی نسبت یقینی طور پر اس امر کو باور نہیں کرنا چاہتا کہ انھوں نے ایسا سنا ہو اور سکوت کیا ہو اس لیے وہ اس امر کو مشتبہ قرار دیتا ہے کہ معاویہ نے اس لفظ کو سنا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ راوی حقیقتاً اہل سنت و جماعت میں سے ہے اور امیر معاویہ کے ساتھ کامل عقیدت مندی رکھتا تھا۔ اگر اصل واقعہ میں کسی قسم کی کمزوری پائی جاتی تو وہ یقیناً اسی کا انکار کر دیتا اور خود بیان نہ کرتا، لیکن چون کہ اصل واقعہ ناقابل انکار تھا اس لیے اُس نے اُس کی تائید میں اپنی خوش عقیدگی کا مظاہرہ کیا ہے۔

دور یہ امر طے شدہ ہے کہ راوی کے اقوال بحیثیت راوی اُسی حد تک معتبر ہیں جہاں تک کہ وہ بیان واقعہ سے تعلق رکھتے ہوں نہ اُس کے ذاتی خیالات۔

واقعہ ایک ایسے عقیدت مند راوی کا بیان کردہ سامنے موجود ہے اس سے نتیجہ نکالنا ہر بابصیرت انسان کا خود کام ہے۔ اگر روایت کوئی چیز ہے اور واقعات کے ساتھ خرائن کا تضام کچھ بتلایا کرتا ہے تو اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ راوی کا یہ شک کہ امیر معاویہ نے سنا بھی تھا یا نہیں بالکل بے موقع اور ناقابل اعتنا ہے جسرو سکون کے ساتھ روایت کا ایک نظر پھر مطالعہ کیجیے اور اس کے بعد فیصلہ

کبھی بمصری جماعت کے ورود کے موقع پر عمرو عاص اس کی کوشش کرتا ہے کہ یہ لوگ معاویہ کو خلیفہ مقرر کر سلام نہ کریں۔ معاویہ کو بھی اس سازش کا اپنی ذاتی ہرکتا کی بنا پر یا کسی اور ذریعہ سے پتہ چل جاتا ہے۔ چنانچہ پیش بندی کے طور پر انتظامات کرتے ہیں کہ مصری جماعت کے ساتھ انتہائی سختی کی جائے جس کے عیب میں اگر وہ عمرو عاص کی سازش پر عمل نہ کر سکیں۔ اس صورت حال کا فطری لازمہ یہ ہے کہ جب وہ لوگ معاویہ کے سامنے آئیں تو معاویہ کی تمام تر توجہ اس کی طرف مبذول ہو کہ دیکھوں یہ لوگ کیا کرتے ہیں؟ اس کے بعد وہ لوگ دربار میں وارد ہوتے ہیں اور سلام کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ سلام کسی شخص کو میل و میل سے نہیں کیا جاتا بلکہ قریب ہوتا ہے اور پھر یہ لوگ ایک ذرا نہیں بلکہ کافی جماعت تھی جو یکے بعد دیگرے آپ کی خدمت میں آ رہی تھی اور جو آتا تھا ایسی کہتا تھا کہ السَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُولَ اللّٰهِ اس کے بعد شیعہ ظاہر کو ناگہان معاویہ نے مٹایا نہیں اُسی وقت قابل قبول ہو سکتا ہے جب تاریخ کے ورق معاویہ کے لیے (خدا نخواستہ) نقل سماعت کا پتہ دے دیں لیکن افسوس ہے کہ ایسا نہیں ہے۔

وہ گھٹی دجال سند کی بحث تو یہ ظاہر ہے کہ تاریخی واقعات میں مستند مؤرخین کے اعتماد اور نقل ہی پر بنیاد قرار پاتی ہے اور اس روایت سے احتجاج کے لیے طبری ایسے امام حافظ متقن متقن کا نقل و اعتماد کافی ہے جو شیعہ ہرگز نہ تھے کہ ان کی نسبت امیر معاویہ سے خواہ مخواہ کی عداوت کا الزام عائد ہو سکے۔ بے شک تاریخ طبری میں اس کے قبل و بعد امیر معاویہ کی تعریف اور ان کے ورع و تقویٰ کی حکایتیں بھی موجود ہیں لیکن یہ کون نہیں جانتا کہ کسی خاص عقیدہ والے کی تحریک

اُس عقیدہ کے خلاف جتنی مستند ہو سکتی ہے اُس کے موافق نہیں۔ طبری جتنی بھی جلالتِ قدر اور عظمت رکھتے ہوں وہ اپنے فرقہ میں ہے۔ اور اسی حیثیت سے ہم نے بھی اُن کو ”مشہور و معروف مسلم الثبوت مولخ اور امام فن“ کی نفلوں سے یاد کیا ہے۔ لیکن بہر حال وہ سُنی تھے اور اس لیے امیر معاویہ کی مدح میں اُن کے روایات پیش کرنا دیا ہی ہے جیسا کہ اُن کی مذمت میں شیعی روایات۔ یہ صریح مسلکِ مناظرہ ہی کے خلاف نہیں ہے کہ جس سے مجھ کو تعلق نہیں بلکہ مسلکِ تحقیق کے بھی خلاف ہے جو میرا نصب العین ہے ایک واقعہ کے ثبوت میں مخالف فرقہ کے موافق بیانات جتنے مفید ہو سکتے ہیں موافق فرقہ کے موافق بیانات نہیں اور اس لیے ہم کو طبری کے اُن روایات پر نظر ڈالنے کی ضرورت نہیں جن میں امیر معاویہ کی مدح میں دُعا لسانی کی گئی ہے۔

بلاشبہ ایک خوش عقیدہ مسلمان کو اس واقعہ سے حیرت و تعجب کی انتہا نہیں رہ سکتی، اسلامی دربار میں خلیفہ وقت کو رسول اللہ کہہ کر سلام کیا جائے اور اُن لوگوں کو سزا تو درکنار معمولی سی تنبیہ بھی نہ کی جائے، اس سے ضمیر کا پتہ صاف چلتا ہے اور حقیقی مقصد واضح ہو جاتا ہے۔

خود حاکم وقت کو جانے دیجیے دشمن کے بھرے ہوئے دربار میں کسی ایک شخص کا بھی اس واقعہ پر چین چبیں ہونا تاریخ میں نظر نہیں آتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت اسلامی جذبات اور مذہبی احساسات کس درجہ فضا ہو چکے تھے۔

اور ملاحظہ ہو

رسالتِ مآب کی عظمت جتنی عوام کی نظروں میں تھی اُنی خلیفہٴ مسلمان کی

نظر میں نہ تھی جیسا کہ اُس واقعہ سے ظاہر ہے جس کو ابو حاتم سہل بن عثمان سجستانی
 بصری متوفی ۲۸۵ھ نے اپنی کتاب "معمرین" میں جو مصر کے مطبع سعادت میں
 ۱۳۲۳ھ میں شایع ہوئی ہے صفحہ ۸۷ پر درج کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ معاد یہ کہ
 اشیات پیدا ہوا ایک ایسے شخص سے ملنے کا جس کی عمر بہت زیادہ طولانی ہو، اور
 وہ اُس سے زمانہ قدیم کے حالات دریافت کریں۔ لوگوں نے حضروت کے ایک
 شخص کا پتہ دیا جس کا نام امد بن ابد تھا اور اس کی عمر تین سو ساٹھ برس کی
 ہو چکی تھی۔ اثنائے گفتگو میں معاد یہ نے اُس سے دریافت کیا کہ تم نے ہاشم کو دیکھا
 ہے؟ اُس نے کہا ہاں میں نے ان کی زیارت کی ہے۔ بہت شان دار، بلند بالا
 خوب صورت شخص تھے۔ پوچھا اُمیہ کو بھی دیکھا ہے؟ کہا کہ ہاں، ایک بہت قات
 اندھا آدمی تھا، جس کے چہرہ سے شرارت ظاہر ہوتی تھی۔ معاد یہ نے کہا تم نے
 محمد کو بھی دیکھا ہے؟ اُس نے ان معمولی لفظوں میں ایک مسلمان سے حضرت کا نام
 سن کر متعجبانہ انداز سے پوچھا، محمد کون؟ کہا وہی رسول خدا۔ یہ سن کر اُس نے
 کہا کہ "وایے ہو تم پر! تم نے پہلے ہی ان کا اس طرح احترام کے ساتھ نام کیوں نہ
 لیا جس کا خدا نے انھیں مستحق بنایا ہے، یوں کیوں نہ کہا کہ تم نے رسول اللہ کو
 دیکھا ہے؟" یہ واقعہ ابن اثیر جزیری کی اسد القابہ (جلد ۱ صفحہ ۵۵) میں بھی
 موجود ہے۔

اس سے زیادہ شرم ناک اور تعجب خیز واقعہ وہ ہے جس کو ذہیر بن بکار نے
 موفقیات میں درج کیا ہے۔ یہ ذہیر محدثین اہل سنت میں بلند پایہ شخص اور صحاح ستہ
 کے رواۃ میں سے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ مطرب بن مغیرہ بن شعبہ اقل ہیں کہ میں اپنے

باپ منیرہ کے ساتھ دمشق امیر معاویہ کی خدمت میں باریاب ہونے کے لیے گیا۔ منیرہ شاہی ہمان ہوئے اور روز معاویہ کے دربار میں جلاتے اور جب واپس ہوتے تو معاویہ کی عقل و فراست اور تدبیر اور دوزانہ لشی کی تعریفیں کرتے تھے۔ ایک مرتبہ رات کو جو واپس ہوئے تو کھانے سے انکار کر دیا اور مخرون و منموم بھکا کر بیٹھ گئے۔ میں نے کچھ دیر انتظار کیا کہ یہ خود بولیں مگر انھوں نے کچھ نہ کہا تو میں نے خود دریافت کیا کہ آج آپ کے منموم ہونے کی کیا وجہ ہے؟ کہا بیٹا کیا بتاؤں میں ایک ایسے شخص کے پاس سے آ رہا ہوں جو کفر و خباثت میں دنیا بھر سے زیادہ ہے۔ میں نے متعجب ہو کر پوچھا کہ یہ کیا؟ کہا کہ آج تنہائی میں نے کہا کہ اے امیر المومنین! اب آپ کی کافی عمر ہو چکی ہے بہتر ہے کہ آپ عدل و احسان کو کام میں لائیں اور کتنا اچھا ہے کہ آپ اپنے رشتہ دار بنی ہاشم کی طرف بھی توجہ کیجیے اور ان کے ساتھ صلہ رحم فرمائیے کیوں کہ اب ان کے پاس کوئی ایسا سامان نہیں رہا ہے جس سے آپ کو اندیشہ ہو۔ اس طرح آپ کا ذکر جمیل اور اجود ثواب دنیا و آخرت میں باقی رہ جائے گا۔

یہ سن کر معاویہ اُبل پڑے۔ کہا کہ یہ ہات ہیات! مجھ کو کس ذکر جمیل کی امید ہو سکتی ہے جو باقی رہے قبیلہ بنی تمیم کے خلیفہ (ابوبکر) نے سلطنت کی اور کیسے کیسے کام کیے اور کس طرح عدالت کی پھر کیا ہوا؟ سو اس کے کہ ان کو جب موت آئی تو ان کا نام بھی مردہ ہو گیا اور سو اس کے کہ لوگ کبھی کبھی نام لے لیں اور کوئی اثر نہ چھوڑا۔ پھر قبیلہ عدی کے خلیفہ (عمر) نے سلطنت کی اور دس برس عرق ریزی اور جاں فشانی سے کارہائے نمایاں انجام دیے، ان کا انجام بھی یہی ہوا کہ وہ خود مردہ

ہو گئے اور ان کا نام بھی مردہ ہو گیا سو اس کے کہ لوگ کبھی کسی تذکرہ میں کہہ دیں، لیکن یہ ابن ابوکبشہد یہ وہ نام ہے جس سے کفار قریش حضرت رسولؐ کو یاد کیا کرتے تھے (روزانہ پانچ دفعہ اذان میں اس کا نام اس طرح پکارا جاتا ہے کہ اللہ اللہ انؑ محمدؑ رسول اللہؑ پھر اب مجھ کو اپنے کس کار نمایاں کے بقا کی اُمید ہو اور کون سا نام میرا باقی رہ سکتا ہے؟ کچھ بھی نہیں آخری انجام زمیں میں دفن ہونا ہے اور بس (نصائح کا فیہ محمد بن عقیل حضرمی ص ۹۷)

اسی داد اکا پڑتا اور اسی باپ کا بیٹا زید تھا جس کو اتفاقات زمانہ اور باپ کے جن سیاست نے مسلمانوں کی گردن پر سوار کر دیا تھا۔ اس کے اقوال و افعال سب ہی اُس کے عقیدہ کے آئینہ دار تھے۔ افعال کا یہ عالم کہ واقعہ نے عبداللہ بن خطلہ غیل الملائکہ کی زبانی نقل کیا ہے کہ خدا کی قسم ہم کو زید کی حکومت میں یہ خوف ہو گیا تھا کہ اب آسمان سے ہم پر پتھر برسائے جائیں گے، وہ ایسا شخص تھا جو اپنی ماں بیٹیوں بہنوں تک کو نہ چھوڑتا تھا اور شراب آزادی سے پیتا تھا اور نماز کو ترک کرتا تھا۔ (صواعق حرقہ ابن حجر ص ۱۲۵ طبع مصر)

اور اقوال کا یہ حال کہ بھرے دربار میں اُس کی زبان ان اشعار کے ساتھ مترنم تھی :

لعبت اشیاخی ببد رشھدوا جزۃ الخزدج منی قم الاسل
کاش میرے جنگ بدروا لے بزرگ موجود ہوتے اور وہ مشاہد کرتے
فریق مقابل کی گھبراہٹ کانیزوں کے مقابلہ میں
لعبت ہاشم بالملک ولا خبوجاء دلا وحی نزل

یہ تو بنی ہاشم کو سلطنت کا کھیل کھیلنا تھا، نہ کوئی خبر آئی تھی نہ یہاں سے کوئی وحی اُتری تھی۔

لست من خدات ان لم انتقم من بنی احمد ما کان فعل
میں اپنے بزرگوں کی فسل سے نہیں اگر محمدؐ کی اولاد سے ان کیلے کا بدلا
نہوں۔

بخزینا ہم بید و مثلاً و باحدید و احد فاعتدل
جو بدر و احد میں ہمارے ساتھ سلوک ہوا تھا، اُس کا ہم نے پورا
پورا بدلہ لے لیا

لوداً و لا ستھلوا فترحوا ثم قالوا یا یزید لا تشل
اگر میرے بزرگ اس موقع کو دیکھ لیتے تو خوشی کے مارے کھلکھلا کے
ہنستے اور کہتے کہ اے یزید! کبھی تیرے ہاتھ شل نہ ہوں۔

یہ وہ اشعار تھے جو فتنہ شراب اور فتنہ فتنہ و نصرت دوہری مستی کے عالم میں یزید
کی زبان سے نکل رہے تھے اور وہ اپنے ذاتی خیالات کو بغیر کسی اندیشہ کے
ظاہر کر رہا تھا۔ اور علامہ سبط ابن جوزی نے بھی اشعار کی بنا پر صریح طور
سے اُس کے کفر کا فتوے دیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ اگر یزید کے دل میں زمانہ
جاہلیت کی عداوت اور بدر و احد کے انتقام کا جوش نہ ہوتا تو کم از کم وہ سیر
حسینؑ کے ساتھ بے احترامی نہ کرتا اور اُس کے دفن کا حکم دیتا اور زنانہ طبیعت
کے ساتھ عزت و احترام کا سلوک کرتا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دل میں کفر
و جاہلیت کے جذبات موجود تھے جو اُس کو جاہلیتِ رسولؐ کے ساتھ کسی و داد دہی

پر اکادہ نہ ہونے دیتے تھے۔

محمد بن جویری طبری کہ جنھیں یزید کے ساتھ کافی خلوس ہے اور اہل بیتِ اہل بیت کے ساتھ یزید کے جن سلوک کی غلط حکایتیں نقل کرنے میں انھیں لذت محسوس ہوتی ہے وہ بھی اس موقع پر کہ جب یزید نے اہل حرم کو ماتم داری کی اجازت دی ہے اور غارت شدہ اموال کو واپس کیا ہے حضرت سکنہ بنت جحش کی زبانی یزید کی مدح میں جو نقل کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ

”ما رأیت رجلاً کافلاً باللہ خیراً من یزید بن معاویۃ“

میں نے کوئی خدا کا منکر یزید بن معاویہ سے بہتر نہیں دیکھا (طبری جلد ۶ ص ۲۶) اس سے بھی یزید کے مذہب پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

یزید کے بعد دوسرا شخص جسے قاتل امام حسینؑ کہا جاسکتا ہے وہ پسر مرجانہ عبید اللہ بن زیاد ہے جو یزید کے ساتھ ایک جان و دو قالب کی حیثیت رکھتا تھا اور اس کے متعلق یزید نے اپنے ان اشعار میں ظہار خیال کیا ہو:

اسقنی شربہ ثوی مشائی ثم قم واسق مثلها ابن زیاد

ہاں اے ساتھی ہوش! مجھ کو ایک یا سا غرلا دے جو میرے جسم کے ہر جوڑ بند کو سیراب کر دے، پھر کھڑے ہو کر ایسا ہی ایک جام ابن زیاد کو پلا۔

صاحب الود والامانۃ والنشدۃ منی ومغنی وجہادی

وہ کہ جو خالص دوست اور امانت دار، اور میری تائید کرنے والا اور میرا سرمایہ زندگی اور جنگ میں میرا ہم دست ہے۔“

اس شخص کا کفر و احماد اور احکام خدا و رسولؐ سے روگردانی طشت از بام
 بھٹی اور گونے کے عام افراد بھی اُس سے خوب واقف تھے، چنانچہ اس موقع پر
 جب حضرت مسلم ہانی بن عروہ کے گھر پر فرود کش تھے اور شریک بن عمرو کی عیادت کے
 لیے ابن زیاد کے آنے کی خبر معلوم ہوئی اور شریک نے حضرت مسلمؓ سے کہا کہ یہی موقع ہے
 اس کو قتل کر ڈالیے لیکن ابن زیاد آیا بھی اور چلا بھی گیا۔ مسلم نے کوئی اقدام اُس کے
 قتل پر نہ کیا۔ شریک نے اُس کے جانے کے بعد مسلم سے اس کا سبب پوچھا تو مسلم نے
 کہا ”خصلتان اما احدا ہما فکراہۃ ہانی ان یقتل فی دارہ واما الاخری
 فحدیث حدثہ الناس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان الایمان
 قید الفک و لا یفتک مؤمن“ اس کے دو سبب تھے، پہلے تو یہ کہ ہانی کو یہ امر
 ناپسند تھا کہ ابن زیاد اُن کے گھر میں قتل کیا جائے، دوسرے یہ کہ جنابؐ سالک
 کی حدیث ہے کہ ایمان قتل پر پابندی عائد کرنے والا ہے اور کوئی مسلمان قتل
 نہیں کیا جاسکتا۔“

یہ سن کر ہانی نے کہا ”امّا واللہ لو قتلتمہ لقتلت فاسقا فاجرا کافرا
 غادرا و لکن کہت ان یقتل فی دارہی“ خدا کی قسم آپ یقین جانے کہ
 اگر آپ اس کو قتل ڈالتے تو یہ کسی مسلمان کا قتل نہ ہوتا بلکہ ایک فاسق فاجر کافر
 خدا کا قتل ہوتا بے شک مجھ کو یہ امر پسند نہ تھا کہ وہ میرے گھر میں قتل ہو۔

(طبری جلد ۶ ص ۲۰۴)

تیسرا شخص جو قتل حسینؑ کا براہ راست ذمہ دار کہا جاسکتا ہے وہ عمر بن عبد

اس کے اسلام کی حقیقت اُن اشعار سے ظاہر ہے جو اُس نے اُس موقع پر نظم کیے تھے
جب ابن زیاد نے اُس کو قتل اٹام حسینؑ پر مامور کیا ہے :

فواللہ لا ادوی وافی لحاشی افکر فی امری علی خطرین
خدا کی قسم میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا اور میں حیران ہوں، میں اپنی نسبت دو
عظیم باتوں میں فکر کر رہا ہوں۔

اتراہ ملک الی والرمی منیتی امر اصبح ما توما بقتل حسینؑ
کیا میں ملک لے کر ہاتھ بٹھانے دوں حالانکہ ملک لے کر مجھ کو مدت سے
آرزو ہو یا میں حسینؑ کو قتل کر کے ہمیشہ کے لیے گناہ گار بنوں۔

الانما الدنیا بخیر معجل وما عاقل باع الوجود بدین
یاد رہے کہ دنیا نقد و حاضر راحت کا نام ہے اور کون عاقل ہے جو
نقد کو قرض کے عوض بیچ دے۔

یقولون ان اللہ خالق جنة و نار و تعذیب و غل یبدین
لوگ کہتے ہیں کہ خدا نے کوئی جنت خلق کی ہے اور آگ اور عذاب و دہم تھون
کی ہتھکڑیاں۔

فان صدقوا فیما یقولون انی اتوب الی الرحمن من سلتین
اچھا تو اگر یہ لوگ سچے ہیں ان باتوں کے کہنے میں تو کوئی حرج نہیں ہو میں
دو ہی برس کے اندر اس گناہ سے توبہ کروں گا۔

وان کذبوا فزنا بدنیا عظیمة و طلع عقیقہ دائم الحجلین
اور اگر یہ غلط کہتے ہیں اور جنت و دوزخ کی کوئی حقیقت نہیں تو پھر کیا ہو

پھر تو ہم ایک عظیم دنیا اور ایسے ملک کے حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے
جس کی تعقیس باقی رہنے والی ہیں۔

ان اشعار میں صریح طور پر عقیدہ معاویہ پر اور جنت و دوزخ کے وجود کا مذاق
اڑایا گیا ہے۔

جبہ حکام و درو ساد کا یہ عالم تھا تو دوسروں کا کیا پوچھنا؟ وہ تو ان ہی
لوگوں کے اشارے پر چلنے والے اور ان کے آؤ کار تھے۔ ان کا مذہب نہ صرف اہل
رو پہلے سکوں کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ ان لوگوں کو مسلمان کہنا اسلام کے دامن پر ایک بڑا
داغ لگانا ہے اور درحقیقت ان سے اسلام کو کوئی تعلق نہیں ہے۔

یہ تاریخی حقیقت ہے جس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں اور اس کے بعد اس
سوال کا موقع ہی نہیں رہتا کہ یہ لوگ کس تہذیب یا شیعہ؟ اس لیے کہ سنی شیعہ کا افتراق
اسلامی مشرک کہ اصول و عقاید کو تسلیم کر لینے کے بعد پیدا ہوتا ہے اور جب خود اسلام ان
کش نظر آتا ہو تو سنی شیعہ کی تفریق بے موقع ہے، لیکن افسوس ہے کہ وہ افراد جنہیں
خواہ مخواہ اختلاف پیدا کرنے میں لذت محسوس ہوتی ہے اور بے بات کی بات پیدا
کر کے اسلامی جماعتوں میں تصادم پیدا کرتے ہیں، وہ اس خیال کو بہت اہمیت
دیتے ہیں کہ قاتلانِ امام حسینؑ خود شیعہ ہی تھے، اور یہ دعویٰ بڑے زور و شور سے
ان حلقوں میں پیش کیا جاتا رہا ہے۔ چوں کہ تاریخی نصوص و شواہد اس دعوے
کو بے بنیاد ثابت کرنے میں ہم آواز ہیں، لہذا ایک تاریخی فرض کی حیثیت سے
ہم نے تصدق کر لیا ہے کہ اس سلسلہ میں عام اسلامی مستند کتب سے تاریخی حقائق کا
ایک سلسلہ قلم بند کریں جس کے بعد دہنوں میں قفل اور زبانوں میں گرہ پڑ جائے

اور پھر اس کی جرأت نہ ہو کہ قاتلان حسینؑ کو شیعوہ کہا جائے۔

قاتلان حسینؑ کے مذہب اجمالی نظر

گزشتہ صفحہ کلام میں جو کچھ حوالہ قلم ہوا وہ اس ننگا نساہت جماعت کے باطنی عقائد کی بنا پر تھا جس کی پردہ دری تاریخ کے ہاتھوں نے کر کے صاف واضح کر دیا ہے کہ اس جماعت کے دل میں اسلامی عقیدہ کا کوئی نقش قائم نہ ہوا تھا بلکہ ان کا مذہب عین لاندہبی تھا، لیکن اس میں شک نہیں کہ ظاہر حقیقت سے یہ افراد مذہب اسلام کے حلقہ برگوش تھے اور ان کی لاندہبی جس درجہ پر بھی ہو اس پر کسی درسی مذہب کا ایک ہلکا سا پردہ پڑا ہوا ضرور تھا جس کی بنا پر یہ سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ ان کا تعلق اسلام کے کس فرقہ سے تھا؟ اس امر کی تحقیق کے لیے دو تنقیسیں قائم ہونا ضروری ہیں :

(۱) امام حسینؑ کے قتل کی بنیاد کیا تھی؟

(۲) جس بنیاد پر اس عظیم قتل کا ارتکاب کیا گیا تھا اس کی جگہ کس فرقہ

کے اصول و تعلیمات میں نکالی جاسکتی ہے؟

ان دونوں تنقیصوں کے حل کرنے کے بعد یہ سوالی خود بخود حل ہو جائے گا کہ

اس قتل پر اقدام کرنے والے کس فرقہ سے تعلق رکھتے تھے۔

تاریخی حقیقت سے یہ امر ناقابل انکار ہے کہ قتل امام حسینؑ کی بنیاد امیر شام معاویہ کے بعد زید کی خلافت اور اس کے تسلیم کرانے کے لیے حسین بن علیؑ سے بیعت پر صہرا اور اس کے بعد حسینؑ کا اس خلافت کے تسلیم کرنے سے انکار اور اپنی بات پر

آخر وقت ہزاروں مصیبتیں سامنے آنے پر بھی قائم رہتا ہے۔

یہی وہ چیز تھی جس نے دنیا کی اس طویل و عریض وسعت کو فرزند رسول پر تنگ کر دیا تھا اور جس کی بنا پر دشمنوں کی خون آشام تلواریں اس بے گناہ کے خون کی پیاسی ہو گئی تھیں۔

وہی وقت جب معاویہ بہ قول ابن حجر کلمی یزید کی محبت میں اندھے ہو کر مسلمانوں کے اپنے سہمہ تن فسق و فجور بیٹے یزید کی بیعت لے رہے تھے اور اس کی ولی عہدی کو تسلیم کرانے کے لیے شام و عراق کے خزانے اور جیلہ گری و سیاست کے تمام ہتھکنڈے صرف کر رہے تھے، اور عالم اسلام کا ہر حزب و کل تابع فرمان ہو چکا تھا اس موقع پر پانچ شخص ایسے تھے جو حاکم شام کی تمام سطوت و قوت اور تدبیر و سیاست کے باوجود اپنی بات پر قائم تھے اور یزید کی بیعت کرنا اپنے لیے ننگ سمجھتے تھے جن میں سب سے پہلا نام حسین بن علیؑ کا ہے اور آپ کی دیکھا دیکھی عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر اور عبدالرحمن بن ابی بکر اور عبداللہ بن عباس بھی یزید کی بیعت سے انکار کرتے تھے۔

امیر شہرام معاویہ پر یہ امر چھپا ہوا نہ تھا کہ اس جماعت میں سب سے زیادہ نمایاں ہستی حسینؑ کی ہے اور اس بنا پر خود مدینہ آکر سب سے پہلا کام جو کیا وہ یہ کہ حسینؑ کو بلوا کر کہا کہ اس معاملے میں تمام لوگ ہم دار ہو چکے ہیں سو اپنا پانچ آدمیوں کے قریش میں سے جن کی سرکردگی تم کر رہے ہو، حضرت نے متعجبانہ انداز سے کہا انا اعدوہم میں ان کی سرکردگی کرتا ہوں؟ معاویہ نے دیدہ دلیری کے ساتھ کہا فعمانت فعدوہم بے شک تم ہی ان کے سرگروہ ہو۔ یہ سن کر حضرت نے

۱۔ تطہیر النجان حاشیہ صواعق طبع مصر ۱۳۵۵ھ

فرمایا تو اس کی تدبیر یہ ہے کہ آپ دوسرے لوگوں کو بلو اکراؤں سے بیعت کا مطالبہ کیجئے
اگر ان سب نے بیعت کر لی تو تنہا مجھ سے آپ کو کسی اندیشہ کی ضرورت نہیں، یہ دفع الوقتی
کلام یاب ہوئی اور نتیجہ میں معاویہ کی یہ کاوش بے سود ثابت ہوئی، اس لیے کہ آخر تک
سولے عبداللہ بن عمر کے جو ایک کم زور دل اور عقیدہ کے شخص تھے ان اشخاص
میں سے کسی نے بیعت کی ہامی نہیں بھری (تاریخ طبری جلد ۶ ص ۱۷۱)

امیر معاویہ اپنی زندگی کے دن پورے کرچکے اور ۵۷ء و ۸۰ء کے درمیانی عمر
میں رجب شہ ۱۰ ہجری میں رحلت کر گئے۔ یہ مدت تخت خلافت پر شکن ہوا اور تمام اہل شام
نے بیعت کی۔ دنیا تمام زیب و زینت کے ساتھ نیر کے سامنے موجود
تھی اور تاج و تخت، مال و دولت، حشم و خدم اور عیش پرستی و شہوت رانی کے تمام
ذرائع اور اسباب، پوری فراوانی کے ساتھ تھیا، لیکن ایک خیال تھا جو اس کے دل و
دماغ کو پریشان کیے ہوئے اس کی نظروں میں اس تمام جاہ و حشم کو خاک سیاہ بنائے
بھسے تھا، اور وہ ان چند آدمیوں کا بیعت سے انکار جن میں اول درجہ کی شخصیت
حسین بن علیؑ کی تھی۔ اُس نے تخت سلطنت پر قدم رکھتے ہی پہلا کام جو انجام دیا وہ
یہی کہ اپنے چچا زاد بھائی ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کو جو مروان کی معزولی کے بعد
اس زمانہ میں مدینہ کا حاکم تھا، خط لکھا:

”من یزید امیر المؤمنین ابی الولید بن عتبہ اما بعد
فان معاویہ کان عبدا من عباد اللہ اکرمہ اللہ واستخلفہ
وخلوہ و مکن لہ فعاش بقدر و مات باجل فرحمہ اللہ
فقد عاش محمود اذ مات بواقفیہ والسلام“

خط کا مضمون ختم ہو گیا اور اس میں سولہ معاویہ کے انتقال کی خبر کے کچھ نہیں
 ہے لیکن اس کے ساتھ ایک چھوٹا پرزہ کاغذ کا اور تھا جس پر یہ تحریر تھا:
 ”اما بعد فخذ حسینا و عبد اللہ بن عمرو عبد اللہ بن
 زبیر بالبیعة اخذ اشدد الیست فیہ رخصة حتی یبایعوا
 والسلام“

”دیکھو حسینؑ اور عبد اللہ بن عمرؑ اور عبد اللہ بن زبیرؑ کو بیعت پر بہت
 سختی سے مجبور کرنا اور جب تک یہ لوگ بیعت نہ کر لیں دم نہ لینا“
 ولید ابوسفیان کا پوتا اور معاویہ کا بھتیجا بھی لیکن کم زور دل کا شخص تھا اور
 حسینؑ کی عظمت و شخصیت کا اثر ایک حد تک اُس پر قائم تھا، اس میں اتنی سفاکی
 اور تم کیشی بھی نہ تھی کہ ایک بے گناہ کا خون بہاتے ہوئے اس کو لذت محسوس ہوا، مزید کے
 زبان شاہی نے اُس کے باطنی جذبات میں ایک عظیم ملامت پیدا کر دیا اور وہ اس شش
 پنج میں تھا کہ مزید کے اس حکم کو کس طرح انجام دیا جائے۔

بے شک ننگ اسلام لیکن ساتواں خلیفہ مسلمین مروان بن حکم جو ابتدا ہی میں
 رسول اللہؐ کی بارگاہ سے ”ملعون بن ملعون“ کا لقب پا چکا تھا اس نے یہی مشورہ
 دیا کہ حسینؑ سے بیعت طلب کرو اور اگر وہ بیعت نہ کریں تو ان کا سر قلم لے کے مزید کے
 پاس بھیجو۔ ولید اپنی ذاتی صلح پسندی کے باعث اس کا مشورہ قبول کرنے سے مجبور
 رہا، لیکن حسینؑ بن علیؑ کو بلا کر مزید کا پیغام پہنچا دینے میں اُس نے کوتاہی نہیں
 کی اور اگر حسینؑ عاقبت اندیشی کو کے غیر معلوم طریقہ پر مدینہ رسولؐ کو خالی نہ کر دیتے

لہ حیوۃ الحجۃ بن دمری جلد ۵۵ بحوالہ مستدرک حاکم

تو یا ولید ہی عرسد کی طرح باوجود ذاتی کراہت کے مالی وجہ دنیا کی طمع اور سطوت حکومت کے خوف میں اقدام کرتا اور یا کوفہ کے نعمان بن بشیر کی طرح اُس کو معزول کر کے مروان بن حکم یا اُس کے ایکے کسی سفاک اور سخت ترین دشمن اہل بیت کو مدینہ کا حاکم مقرر کر کے فرزند رسولؐ کے خون سے مدینہ رسولؐ کی زمین کو گھل رنگ بنایا جاتا (مذکورہ بالا واقعات کی تصدیق کے لیے ملاحظہ ہو طبری ج ۱ ص ۲۰۶-۱۸۸)

فرزند رسولؐ مکہ معظمہ پہنچے اور کچھ روز قیام کرنے کے بعد حضرت مسلمؓ کو حالات کا مشاہدہ کرنے کے لیے کوئے روانہ کیا۔ کوئے کی خلقت نرید کے افعال و کردار کے واقفیت کے باعث اُس کی خلافت سے بے زار تھی اس لیے مسلمؓ کا خوش گوار طریقہ پر استقبال کیا۔ نعمان بن بشیر انصاری جو اس وقت کوئے کا حاکم تھا وہ صلح پسند بے شر آدمی تھا اور اُس نے مسلمؓ سے بغیر معقول سبب کے کوئی تعرض کرنا مناسب نہ سمجھا۔

مخبروں نے خلیفہ وقت نرید کو اطلاع دی کہ مسلم بن عقیل کوئے میں ہیں اور یہاں کے لوگوں نے حسین بن علیؓ کی بیعت کی ہے۔ نعمان بن بشیر فطرۃ کم زور شخص ہے یا کسی وجہ سے کم زور ہی کر رہا ہے، اگر آپ کو کوئے کی حفاظت کرنا ہے تو ایک مضبوط آدمی یہاں مقرر کیجیے جو آپ کے حکم پر کامل طور سے عمل کرے۔

نرید نے سر جو بن سعادہ کے راندہ ارغلام کو بلا کر مشورہ کیا۔ اُس نے معاویہ کا فرمان نکال کر دکھایا جو انھوں نے آخر وقت عبید اللہ بن زیاد کے نام کوئے کی حکومت کے بارے میں لکھا تھا۔ نرید بوڑھٹ باپ کی اس برصق پیش بندی کو

دیکھ کر اچھل پڑا اور فوراً ابن زیاد کے نام جو اس وقت بصرہ کا حاکم تھا خط لکھا کہ
مجھ کو معلوم ہوا ہے مسلم بن عقیل کو فتنے میں آکر وہاں کے لوگوں کو مجھ سے سخت کر رہے ہیں
اس تحریر کو دیکھتے ہی تم کو فتنے کی جانب دانہ ہو جاؤ اور جس طرح ممکن ہو مسلم پر قابو پا کے
اُن کو سزا دو (طبری جلد ۶ ص ۱۹۹-۲۰۰)

گو ناگوں واقعات کے بعد فرزند رسولؐ دوسری محرم ۶۱ ہجری کو اپنی آخری
منزل پر پہنچے اور ابن زیاد کی جانب سے عمر سعد حضرت کے قتل پر مامور ہو کر گر بلا آیا اور
جگو گوشہ رسولؐ کا خون آشام دشمنوں نے محاصرہ کر لیا۔ عمر سعد کے ابتدائی و
انتہائی واقعات کے مطابق بعد سے صحت نظر آتا ہے کہ اس عظیم جرم کے ارتکاب میں
ہر موقع پر اُس کا ضمیر سختی کے ساتھ ڈک رہا تھا اور آواز دیتا تھا کہ ظالم کیا کر رہا
ہے جس کو سن کر وہ ٹھٹھک جاتا تھا، لیکن طمع دنیا پھر غلبہ حاصل کر کے اُس کا قدم
آگے بڑھا دیتی تھی۔ وہ ایسے مواقع ڈھونڈھتا تھا کہ کسی طرح وہ اپنے دنیاوی مفاد
کی حفاظت کرتے ہوئے اس جرم کے ارتکاب سے محفوظ رہے۔ اسی بنا پر کہ بلا پہنچنے کے
بعد اُس نے امام حسین علیہ السلام سے سلسلہ مراسلت و مکالمہ جاری کیا اور ابن زیاد
کو لکھا کہ میں نے حسین سے بات چیت کر کے اُن کا منشاء معلوم کیا تو انھوں نے
کہا کہ مجھ کو اہل کوفہ نے دعوت دی تھی اس لیے میں یہاں آیا، اب اگر وہ لوگ اپنی
بات پر قائم نہیں ہیں تو میں یہاں سے آیا ہوں وہیں واپس جاتا ہوں۔
اس خط کا جو جواب ابن زیاد نے دیا وہ یہ ہے۔

”اما بعد فقد بلغنی کتابک و فہمت ما ذکرک
فاعرض علی المحسن ان یبايع لیزید بن معاویۃ هو و

جميع اصحابه فاذا فعل ذلك راينا سراينا والسلام“
 یعنی خط پہنچا اور حال معلوم ہوا، تم حسین سے یہ مطالبہ کرنا کہ وہ
 اپنے تمام اصحاب سمیت یزید بن معاویہ کی بیعت کر لیں، اس کے بعد ہم
 صورت حال پر غور کریں گے۔“

عمر بن سعد حسین کے تہقلا ل اور ثبات قدم سے خوب واقف تھا، اور جانتا تھا کہ
 جو کچھ بھی ہو جائے وہ یزید ایسے شراب خوار و فاسق کی بیعت نہ کریں گے، جس کی بناء
 پر اس نے خط کے پڑھتے ہی کہا:

”قد حسبنا ان لا يقبل ابن زياد العافية“

اب میں سمجھا کہ ابن زیاد کوئی سمجھوتا نہیں چاہتا (طبری جلد ۶ ص ۲۳۴)

عمر سعد کا خیال صحیح تھا۔ حسین ایسے کم زور، متلون مزاج، غیر ثابت قدم نہ تھے
 کہ کسی بڑے خطرے سے سہم کر اپنے اصول سے ہٹ جائیں۔ انھوں نے جو کہا تھا وہی کیا
 دنیائے دیکھ لیا کہ مصائب کے ہمیشہ کن پہاڑ ان کے ثبات قدم اور کواہ گراں تہقلا ل کے
 سامنے سبک نظر آ رہے تھے۔ انھوں نے یزید کی بیعت نہ کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دسویں محرم
 کی عصر کو زمین کر بلا بنی فاطمہ کے خون سے رنگین تھی اور شہداء حق کے بے سر لاشے
 زمین و آسمان سے اُن کی جاں بازی کا مرثیہ پڑھوا رہے تھے۔

ابتداءً انتہا وسط کے واقعات کو تاریخ کے طول و طویل باوراق میں سے منتخب
 کر کے حسب موقع ترتیب کے ساتھ پیش کر دیا گیا ہے اور اس سے صاف نظر ہو کہ
 (۱) حسین بن علی کا دینے سے مباحوت کرنا کس سبب تھا؟

(۲) کہنے میں عبید اللہ بن زیاد کی حکومت کس غرض کے لیے تھی ؟
 (۳) حسین بن علیؑ سے ابن زیاد کے خط کی بنا پر آخری مطالبہ کیا تھا جس کے منظور کرنے کا نتیجہ قتل حسینؑ کی صورت میں ظاہر ہوا ؟
 جو اب ظاہر ہے کہ زید کی خلافت اور اس کے تسلیم کرنے کا مطالبہ یہی وہ تھا جو قتل حسینؑ کا سبب تھا اور اسی مطالبہ کا منظور نہ کرنا اس عظیم شہادت کا باعث ہوا۔

زید نے بھی خود اس حقیقت کا اعتراف کیا۔ اُس وقت جب مخدرات خاندان رسالت امام زین العابدینؑ کے ساتھ زید کے دربار میں لائے گئے۔ زید نے امام زین العابدینؑ سے خطاب ہو کر کہا:

”یا علی ابوک الذی قطع رحمی وجعل حقّی وناکحی
 سلطانی فصنع اللہ بہ ما قدر ایت“

اے علی بن حسینؑ تمہارے باپ نے میری قرابت داری کا لحاظ اور
 میرے حق کا پاس نہ کیا اور میری حکومت سے اختلات کیا جس کا نتیجہ
 تم دیکھ رہے ہو۔ (طبری ص ۱۶۵)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ قتل حسینؑ کا سبب زید کی خلافت سے اختلات
 تھا اور یہی وہ بنیاد تھی جس کی بنا پر قتل حسینؑ نے اس عظیم قتل کا ارتکاب کیا۔
 اب رہی دوسری بنیاد جس کا نتیجہ زید کی خلافت کس فرقے کے مذہبی تعلیمات کی رد
 صحیح اور اس کی حمایت حق بر جانب ہو سکتی ہے۔ ؟

یہ امر کچھ زیادہ توضیح کا محتاج نہیں کہ شیعوں کے مذہبی اصول میں زید کا اس سے

بڑھے چڑھے افراد کی خلافت کو کوئی جگہ حاصل نہیں ہے۔ انھوں نے دوسرے سے اس سلسلہ ہی سے اظہارِ برأت کیا ہے جس کی پانچویں یا چھٹی کڑی میں زید کی امامت و خلافت کو تسلیم کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔

وہ گئے اہل سنت مجھ کو ان کے مذہب پر حکم لگانے کا کوئی حق نہیں، لیکن امام اہل سنت حافظ شام جناب الدین سیوطی جو علمائے اسلام میں ایک نمایاں فرد اور ذمہ دار شخص سمجھے جاسکتے ہیں، انھوں نے اپنی تاریخ الخلفاء میں اس مطلب کو بالکل صاف کر دیا ہے جس کے بعد شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

پہلے وہ کتاب کے دیباچہ میں سبب تالیف لکھتے ہوئے رقم طراز ہیں :

” هذا ما دريخ لطيف ترجمت فيه الخلفاء امراء المؤمنين
القائمين باموالامة من عهد ابي بكر الصديق رضي الله عنه
الى عهدنا هذا على ترتيب زمانهم“

” اس پر لطف تاریخ میں میں نے حالات لکھے ہیں خلفاء کے جو امیر المؤمنین تھے اور امت اسلامیہ کی ریاست کے مالک تھے ابو بکر صدیق کے عہد سے لے کر اپنے عہد تک ان کے زمانہ خلافت کی ترتیب کے مطابق “

ان ہی الفاظ سے ظاہر ہے کہ وہ جن اشخاص کے حالات لکھنا چاہتے ہیں ان میں سے ہر ایک کو امیر المؤمنین کہنے کے لیے تیار ہیں اور ان کی خلافت ان کے نزدیک صحیح و مسلم تھی، لیکن اس کے بعد نقطہ نظر پر دوری دینی پڑتی ہے جب کہ وہ مصر کے خلفائے بنی فاطمہ کے حالات کو اس کتاب میں ترک کرنے کی وجہ بیان کرتے ہیں :

” لم ارد ان احد من الخلفاء العبيد بين لان امامتهم

غیر صحیح تہ لاہور۔

”میں نے اس کتاب میں خلفاء عبیدین میں سے کسی کا تذکرہ نہیں کیا ہے اس لیے کہ ان کی امامت و خلافت متعدد وجوہ سے صحیح نہ تھی پہلے یہ کہ وہ قرشی نہ تھے ان کو ناولت عوام فاطمی نسل سمجھنے لگے ورنہ حقیقتہً ان کا مورث اعلیٰ ایک مجوسی شخص تھا۔“

(معلوم ہونا چاہیے کہ تاریخ نے ان ریشہ دانوں کو جو خلیفہ عباسی کی طرف سے سلاطین بنی فاطمہ کے خلاف ان کے نسب میں قدرح کے متعلق کی گئی تھیں اور جن صورتوں سے بہرہ و قہر اس محضریہ دستخط لیے گئے تھے ہمارے سامنے پیش کر کے علامہ سیوطی کے اس عذر کو غیر واقع بنا دیا ہے۔

”دوسرے یہ کہ اکثر ان میں سے بدعقیدہ کفر و زندہ کی طرف مائل اور اسلام سے خارج تھے اور ان میں سے بعض نے انبیاء کی شان میں گستاخیاں کیں اور بعض نے شراب کو مباح سمجھا اور بعض نے خود اپنے لیے سجدہ کا حکم دیا اور جو ان میں ان تمام عیوب کے پاک ڈھونڈھا جائے اس میں بھی یہ ضرور ہے کہ وہ کٹر نفی ہے کہ جو سب صحابہ کا حکم دیتا ہے۔

ومثل هؤلاء لا تمنعہم لہم بدیعة ولا تصح لہم امامتہ
اور جو ایسے اشخاص ہوں ان کی بیعت درست نہیں ہو سکتی اور زامات
ان کی صحیح ہے۔“

میں حافظ سیوطی سے محاسبہ نہیں کرنا چاہتا نہ اس کی تحقیق کروں گا کہ مذکورہ بالا الزامات صحیح ہیں یا نہیں۔ نہ یہ دریافت کروں گا کہ کیا خلفائے بنی امیہ و عباسی

میں ایسے افراد نہ تھے جن سے کفر و زندقہ کا ظہور ہوا اور جو شراب و لواطہ جیسے معاصی کو جائز سمجھے اور نہ اس سوال کی زحمت دوں گا کہ کیا ان میں سب صحابہ کی نظیریں نہیں پائی جاتیں اس لیے کہ میں اگر ایسا کروں تو مناظرہ کی ایک وسیع وادی میں کھڑا قدم پڑ جائے گا اور میں نے مناظرہ کے لیے قلم نہیں اٹھایا ہے۔ میں تو صرف ایک احمق نگار کی حیثیت سے تاریخی حقائق پیش کرنا چاہتا ہوں۔

مگر حافظ سیوطی کی اس معذرت میں یہ امر بالکل صاف ہو گیا کہ کتاب میں جن شخصاء کا تذکرہ ہے وہ ایسے ہی ہیں جن کی بہت قواعد کے مطابق اور جن کی امامت و خلافت صحیح و جائز طور پر ثابت ہو چکی ہے۔

اسی کے بعد جب ہم اسی تاریخ و خلفاء کی سیر کرتے ہوئے صفحہ ۲۰۵ پر پہنچے ہیں تو جلی حروف میں یہ سرخی نظر آتی ہے ”یعنی صدیقین معاویہ ابو خالد الاموی“ جس کے ذیل میں متقل طور پر زیر میکے حالات درج کیے گئے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ زید کی بیعت صحیح و درست اور امامت و خلافت اُس کی جائز اور قابل تسلیم تھی۔

اور صفحہ ۹ میں جناب رسالت مآب کی حدیث لا یزال هذا الدائن قائماً حتیٰ یکون علیہم اثنا عشر خلیفۃ کی تشریح میں خلفاء کی فہرست لکھتے ہوئے جو اسامہ درج کیے ہیں وہ بھی یوں ہیں :

”ان الناس اجتمعوا علی ابی بکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی
الی ان وقع امر الحکمین فی صفین فتسبی معاویۃ یومئذ
بالخلافتہ ثم اجتمع الناس علی معاویۃ عند صلح الحسن
ثم اجتمعوا علی ولده یزید ولم ینتظم للمحسین اموی قتل

قبل ذلک۔

”خلافت کی ترتیب یوں ہے کہ لوگوں نے ابو بکر پر اجماع کیا (تو وہ پہلے خلیفہ ہوئے) پھر عمرؓ پھر عثمانؓ پھر علیؓ یہاں تک کہ تکلم کا مسئلہ پیش آیا، اس وقت معاویہ نے خلافت کا ادا کر لیا لیکن لوگوں کا اجماع اُن کی خلافت پر حین کی صبح کے موقع پر ہوا اور اس کے بعد زید کی خلافت پر اجماع ہوا، حین کے لیے امامت حاصل نہ ہو سکی بلکہ وہ اس کے قبل ہی قتل ہو گئے (لہذا انھیں خلفاء میں شمار نہیں کیا جاسکتا)۔“

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی کا قول بھی شرح صحیح بخاری میں حدیث مذکور کی شرح میں یوں ہی ہے اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ زید کی خلافت صحیح و جائز اور حق بجانب تھی اور ان دونوں ذمہ دار حفاظ و امامانِ اہلسنت کی تحریر کے بعد اس میں شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی اور اسی زید کی خلافت تسلیم کرنے کے لیے حسین بن علیؓ کو قتل کیا گیا جس کے بعد قدرۃً یہی نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ لوگ اُس مذہب کے امیو تھے جس میں زید کی خلافت صحیح و جائز ہے اور اُن کو شیعہ فرقہ سے کوئی تعلق نہ تھا۔

قائلانِ حسینؓ کے مذہب کی تاریخی شواہد و نصوص

تاریخی اذواق اُن نصوص و شواہد سے چھلکتے ہیں جن سے قائلانِ حسینؓ کا مذہب بے پردہ ہو کر سامنے آجاتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ اُس اجماع سے علیحدہ نہ تھے جو کثرت کی صورت میں ہمیشہ سے سوادِ اعظم کا مصداق بنا رہا ہے تفصیل کے لیے ایک

طویل وقت و فرصت کی ضرورت ہے۔ لیکن بغیر کسی مخصوص تتبع اور سیرکرت کے جو ثلویہ پیش نظر ہیں اُن ہی قلم برداشتہ فرست کے طور پر درج کر دینا کافی معلوم ہوتا ہے۔

(۱)

وہ وقت کہ جب مسلم بن عقیل کو فہ میں آکر فرزند رسولؐ کی بیعت لے رہے ہیں اور بنی اُمیہ کے مظالم سے گھرائی ہوئی خلقت اس موقع کو غنیمت جان کر ٹوٹ پڑی ہے اور نعمان بن بشیر جو کو فہ کا حاکم تھا اپنی فطری صلح پنی کے باعث طرح دے رہا ہے، عین اُسی موقع پر ایک خط جاتا ہے جو فہ کے زیر کے پاس جس کی عبارت یہ ہے:۔

”اما بعد فان مسلم بن عقیل قد قدم الکوفہ فبايعه

الشيعة للحسين بن علي فان كان لك بالکوفة حاجه

فابعت اليها رجلا قويا ينفذ اموالك و يعمل مثل عمالك في

عمالك فان النعمان بن بشير رجل ضعيف او هو يتضعف

مسلم بن عقیل کو فہ آئے ہیں اور شیعوں نے ان کے ہاتھ پر حسین بن علی

کی بیعت کی ہے، اگر آپ کو کو فہ میں اپنی سلطنت قائم رکھنا ہے تو ایک

طاقت دار شخص کو یہاں مقرر کیجیے جو آپ کے حکم کو نافذ کرے اور دشمن کے ساتھ

وہ سلوک کرے جو آپ خود اگر ہوتے تو کرتے، اس لیے کہ نعمان بن بشیر (جو

کو فہ کا حاکم ہے) وہ فطرۃ کم زور ہے یا کسی وجہ سے کم زوری کر رہا ہے۔“

اس مضمون کے لکھنے والے تین آدمی ہیں (۱) عبداللہ بن مسلم بن سعید حضرمی

سلیف بنی اُمیہ (۲) عمارۃ بن عقبہ (۳) عمر بن سعد بن ابی وقاص۔ یہ تینوں

اس خط کو دیکھ کر اُن واقعات کے بعد جو سابق میں گزر چکے ہیں جو فرمان ابن زیاد کے نام

لکھا اس کی عبارت قابل دید ہے :

”امّا بعد فانہ کتب الی شیعۃ من اهل الکوفۃ یخبرونی
ان ابن عقیل بالکوفۃ یجمع الجمرۃ لشیعۃ المسلمین
فسوحین تقویٰ الخ

”میسے پاس میسے شیعوں نے جو کوفہ کے رہنے والے ہیں یہ لکھا ہے کہ
ابن عقیل کوفہ میں جتھے جمع کر کے مسلمانوں کی موجودہ بنی بنائی بات کو بگاڑنا
چاہتے ہیں لہذا تم فوراً وہاں جاؤ اور سلم پر قابو حاصل کر کے مرادو۔“
(طبری جلد ۶ صفحہ ۱۹۹-۲۰۰)

محترم ناظرین ! پہچان تو لیا ہو گا یہ عرصہ کون ہے جو اس خط کے لکھنے والوں میں ہے ؟
بے شک یہ وہی سپہ سالار ہے جو حسین بن علیؑ کے قتل کے لیے بھیجا گیا تھا جس نے سب سے
پہلا تیر لشکر حسینؑ کی طرف رہا کیا تھا۔ (طبری جلد ۶ صفحہ ۲۰۰)

اس کی یقیناً کہ ”بایعۃ الشیعۃ، الاحسابین“ شیعہ جماعت نے مسلم کے
ہاتھ پر حسینؑ کی بیعت کر لی ہے۔ صاف بتلاتی ہیں کہ اس شخص کو جماعت شیعہ کے کوئی تعلق
نہ تھا اور پھر زبیدی کی یہ تقریر کہ کتب الی شیعۃ من اهل الکوفۃ ترجمہ کو میسے شیعوں نے
کوفہ سے لکھا ہے بتلا رہی ہیں کہ شخص زبیدی کا شیعہ اور اس کی خلافت کو تسلیم کرنے والی
جماعت سے تھا۔ اب اس کا فیصلہ ہر شخص کر سکتا ہے کہ اس کا تعلق کس فرقہ کے ساتھ
ہو سکتا ہے ؟

(۲)

حسین بن علیؑ مکہ معظمہ سے روانہ ہو کر کوفہ کے قریب پہنچ چکے ہیں اور حسین بن مسلم

کے حکم سے جو قادیسیہ میں ناکہ بندی کے لیے مقرر تھا حُر بن زید دیاچی ایک ہزار فوج کے ساتھ
سدا راہ ہونے کے لیے آگیا ہے اور وہ حضرت کے ساتھ ساتھ ہے کہ حضرت کو مدنیہ
رسول واپس نہ جانے دے اور چلتے چلتے یہ قافلہ غینوا پہنچا، اُسی وقت ایک مسلح ناؤ
سوار کوفے کی طرف سے آتا ہوا دکھائی دیا جس کا دونوں طرف کے لوگ بے چینی سے انتظار
کرنے لگے جب وہ قریب پہنچا تو اُس حُر اور صحاب حُر کو تو سلام کیا لیکن حسین بن علیؑ اور
ان کے صحاب کو سلام نہیں کیا۔ وہ ابن زیاد کا خط لایا تھا حُر کے نام جس میں لکھا تھا
کہ ”میرا خط پہنچے ہی حسین کے ساتھ سختی شروع کر دینا اور ان کی ایسی جگہ اترنے دینا
جہاں ان کے لیے کوئی محفوظ جگہ نہ ہو اور نہ پانی ہی نزدیک موجود ہو۔“
امام حسین کے ساتھیوں میں سے زید بن زیاد بن ہماصر ابوالشعراء کنذی نے خط
لانے والے کو پہچانا اور پکار کر کہا کہ

”کیا مالک بن نسر مدی ہے؟“

اُس نے کہا ”ہاں! میں وہی ہوں۔“

ابوالشعراء نے کہا ”کلناک امام ماذا جنت فیہ“ خدا تجھے عارت

بکرے، یہ تو کس کام کے لیے آیا ہے؟“

اُس نے جواب دیا ”وما جنت فیہ اطعت امامی ووفیت بیعتی“

میں اور کس کام کو آیا ہوں؟ میں نے اپنے امام کی اطاعت اور بیعت کو پورا کیا۔“

ابوالشعراء نے کہا:

”عصیت ریت و اطعت امامک فی ہلاک نسلک“

کسبت العار والنار قال اللہ عز وجل وجعلنا منهم ائمة

یدعون الی النار ویوم القيامة لا ینصرون فهو امامک
 تو نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی اور اپنے امام کی اطاعت
 کر کے اپنی ہلاکت کا سامان کیا، تو نے دنیا کی فضیلت اور عذاب
 آخرت دونوں کو بول بے لیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ایسے امام بھی
 ہیں جو لوگوں کو کائنات جہنم کی طرف دعوت دیتے ہیں اور روز قیامت اُن
 کا کوئی مددگار نہ ہوگا، ان معنوں سے بے شک وہ تیرا امام ہے۔ (طبری جلد ۲
 صفحہ ۲۳۲)

یہ مالک بن سیرہ کون ہے؟ یہ وہی ہے کہ روز عاشور جب فرزند رسولؐ
 زخموں سے چور ہو کر زمین پر تشریف لایکے تھے تو وہ شہتی آیا اور حضرت کے سرفروش
 پر تلوار لگائی جو عمارے کو کاٹ کر سر میں اُتری اور تمام عمارتوں سے تر ہو گیا۔ طبری
 میں اس واقعہ کا تذکرہ حسب ذیل عبارت میں ہے :-

”مکت الحسين طویل من النهار کلما انتھی الیبرجل
 من الناس انضوا عنه وکره ان یتولے قتله وعظیم امره
 علیه قال وان رجلا من کندة یقال له مالک بن النیسر
 من بنی بداء اتاه فضرب علی راسه بالسيف وعلیه جوف
 له فقطع البرنس واسب السيف راسه فادعی راسه
 فامتلا البرنس دما قال له الحسين لا اکلک بها ولا
 شربت وحشرك الله مع الظالمین (جلد ۲ صفحہ ۲۵)“

اُس کا یہ کہنا کہ اطاعت امامی و وفیت ببیعتی صاف بتلاتا ہے کہ وہ یزید کو

امام وقت سمجھتے ہوئے اس کی بیعت کا پابند تھا اور یہ شیعہ مذہب سے اس کی بے تعلقی اور دوسری جماعت کے وابستگی کی بہترین دلائل ہیں۔
 اُس کے مقابلے میں ابو الشفاء کا یہ جواب کہ وہ اُن ائمہ میں سے ہے جو نارِ جہنم کی طرف دعوت دیتے ہیں عقیدۂ تشیع کا پورا منظر ہر ہے اور اس مقابلہ سے ظاہر ہے کہ کون جماعت کس فرقہ سے تعلق رکھتی تھی؟

(۳)

فرزندِ رسولؐ کو بلایں پہنچے اور دشمنوں نے محاصرہ کر لیا۔ ساتویں تاریخ قاصد آتا ہے اور ابن زیاد کی طرف سے عمر سعد کو یہ خط دیتا ہے:-

”امّا بعد فحل بین الحسین واصحابہ و بین الماء ولا یدر قوامہ قطرة کما صنع بالتقی الزکی المظلوم امیر المؤمنین عثمان بن عفان“

حسینؑ اور اصحابِ حسینؑ کے سامنے پانی کی طرف سدا راہ ہو جاؤ اور اُن کو ایک قطرہ چکھنے کو بھی نہ ملے پائے جیسا کہ تقیؑ، زکیؑ، مظلوم عثمان بن عفان کے ساتھ سلوک کیا گیا تھا۔ (طبری جلد ۶ صفحہ ۳۳۴)

ابو حنیفہ احمد بن داؤد دینوری متوفی ۲۸۰ھ نے بھی اپنی کتاب الاخبار الطوال طبع مصر صفحہ ۳۵۲ میں اس خط کو حسبِ ذیل لفظوں میں نقل کیا ہے:-

”امنع الحسین واصحابہ الماء فلا یدر قوامہ حسیق کما فعلوا بالتقی عثمان بن عفان“

کہاں ہیں قاتلانِ حسینؑ کو شیعہ کہنے والے آئیں ! اور آنکھیں کھول کر اپنے
 امام اور حافظِ محمد بن جریر طبری کی تحریر پر نظر ڈالیں اور پھر بتلائیں کہ قاتلانِ حسینؑ
 کا مذہب کیا تھا؟ حضرت عثمان کی مظلومیت کا مرثیہ خواں کون ہو سکتا ہے؟
 حضرت عثمان کو امیر المومنین کون کہتا ہے؟ حضرت عثمان کے خون کا بدلہ لینے کا
 حق کس کو پہنچتا ہے؟
 کیا شیعہ اب بھی عقائد کے رکھنے والوں کا نام ہے؟

(۴)

نہیں مجرم کی شام اور عمر سعد کا اپنے لشکر کو حکم دینا کہ فوجِ حسینی پر حملہ کر دو اور
 سید الشہداء کا حضرت عباسؑ کو حکم دینا کہ وہ فوج کے سامنے جا کر ان کا مقصد
 معلوم کریں۔ وہ وقت تھا کہ حضرت عباسؑ بیٹے سواروں کی جمعیت میں دشمن
 کے فڈی دل لشکر کے سامنے گئے اور دریافت کیا کہ یہ بے وقت کی پیش قدمی
 کیسی؟ جواب ملا ”امیر کا حکم ہے کہ یا تم لوگ اطاعت قبول کرو یا فیصلہ کن جنگ
 ہو جائے۔“ جناب عباسؑ یہ کہہ کر کہ میں امام حسینؑ سے جا کر عرض کرتا ہوں وہاں سے
 ہٹے اور وہ جماعت کہ جو آپ کے ساتھ تھی وہیں کھڑی رہی۔ حبیب بن مظاهر نے اس
 موقع کو غنیمت جانا اور چاہا کہ فریقِ مقابل کے سامنے تبلیغ و موعظہ کے فرض کو انجام
 دیں اور یوں تقریرِ شروع کی:۔

”یاد رہے خدا کی قسم، بدترین قوم وہ ہوگی جو روز قیامت خدا کا
 سامنا کرے گی اس حالت میں کہ اس نے نبیؐ کی ذریت کو قتل کیا ہوگا“

اور اُن کی عترت کا خون بہایا ہوگا، اور اُن کے ساتھ اُن عابد و زاہد
خدا کے بندوں کو جو پھلے پر عبادت خدا کرتے اور جن کی زبانیں ذکر
الہی سے متحرک رہتی ہیں بے گناہ قتل کیا ہوگا۔“

عزیز بن قیس حمیری نے جو نوچ مخالفت میں تھا مذاق کے طور پر کہا:
”جب جہاں تک ہوتا ہے تم اپنی تعریف ضرور کرتے ہو کہ میں بڑا
عابد و تہجد گزار ہوں۔“

زہیر بن قیس نے ہکا کر کہا:

”عزیز! اس میں حسد بے کار ہے۔ خدا ہی نے ان کے نفسی کار استہ کیا
ہے اور اُس کو راہ راست کی طرف ہدایت کی ہے۔ عزیز! تم کہ نصیحت کرتا ہو
کہ خدا سے خوف کرو اور خدا کا واسطہ تم اس جماعت میں نہ ہو کہ جو گم راہ ہو کہ
بے گناہ نفوس کے قتل کا ارتکاب کر رہی ہے۔“

عزیز بن قیس یہ سن کر زہیر کی طرف مڑ گیا اور کہا:

”یا زہیر! ما کنت عندنا من شیعۃ اہل هذا البیت
افما کنت عثمانیا۔“

اے زہیر! تم ہو! تم تو میری دانست میں اس خاندان کے شیعوں میں
سے رہتے ہو بلکہ عثمانی مذہب رکھتے تھے۔

زہیر نے کہا:۔

”افلا تستدل بموقفی هذا فی منہم؟“

اچھا اب تو میرے یہاں ہونے سے تم مجھے کہیں شیعیان اہل بیت میں سے

ہوں۔ یاد رکھو کہ میں نے امام حسینؑ کو نہ کبھی کوئی ٹھٹھا بھیجا تھا، نہ کوئی قاصد روانہ کیا تھا اور نہ کبھی نصرت کا وعدہ کیا تھا لیکن راستے میں اتفاق سے مجھ سے اُن سے ملاقات ہو گئی، اُس وقت مجھے رسالت مآبؐ کا اور اُس تعلق کا جو اُن کو حضرت رسولؐ سے ہے خیال آگیا اور مجھ کو معلوم ہوا وہ اپنی دشمن جماعت یعنی تمھارے گروہ کی طرف جارہے ہیں، اُس وقت میں نے دل پر ٹھان لی کہ ان کی مدد کروں اور ان کے انصار میں داخل ہو کر اپنی جان کو اُن پر سے فدا کروں خدا اور رسولؐ کے اُن حقوق کی نگہداشت کے لیے جنھیں تم نے ضائع و برباد کر دیا ہے (طبری جلد ۶ ص ۲۲۷)

”تم تو شیعہ جماعت سے نہ تھے بلکہ عثمان کے ماننے والوں میں سے تھے“
 صریح دلیل ہے کہ یہ لے شدہ امر تھا کہ اس وقت جو حسینؑ کا ساتھ دے وہ شیعہ سمجھا جاتا ہے اور وہ لوگ جو اُن کے مقابل میں تلواریں کھینچے ہوئے ہیں عثمانی مسلک اور مخالف شیعہ ہیں اور زہیر کا یہ قول کہ ”اب تو میرے یہاں ہونے سے سمجھے کہ میں شیعہ اہل بیت ہوں“ وہ بھی اس کا زبردست ثبوت ہے۔

(۵)

روز عاشور جب کہ جنگ چھڑ چکی ہے اور انصار حضرت سید الشہداءؑ کی ایک کافی تعداد قتل ہو چکی ہے اُس وقت زید بن سہیلؓ قبیلہ بنی غنیمہ بن ربيعةؓ سے لشکر عزیمت کا صفت سے باہر نکلتا ہے اور زید بن حنیفہؓ کو آواز دے کر کہتا ہے:

”کیف تیوی اللہ صنع بک دیکھتے ہو خدا نے تمہارے ساتھ
کیا سلوک کیا۔“

یہ سن کر بریر نے جو اصحاب حضرت سے تھے جواب دیا :
”صنع اللہ واللہ بی خیرا وصنع اللہ بک شوا میرے ساتھ
خدا نے اچھا سلوک کیا، بے شک تیری بڑی بڑی درگت لگائی۔“
بریر نے کہا :

”کذبت و قبل الیوم ما کنت کذا باہل تذکرانا
اماشیک فی بنی لودان وانت تقول ان عثمان بن عفان
کان علی نفسه مسوقا وان معاویہ بن ابی سفیان
ضال مضل وان امام الہدی والحق علی بن ابیطالب
تم جھوٹ کہہ رہے ہو اگرچہ اس کے قبل تم کبھی جھوٹ بولتے نہ تھے
اچھا تمہیں یاد ہے جب میں تمہارے ساتھ بنی لودان کی جماعت میں
چار ہوا تھا اس وقت تم عثمان کے متعلق کہہ رہے تھے کہ وہ اپنے نفس
پر ظلم کرنے والے یعنی معصیت کا شخص تھے اور معاویہ بن ابی سفیان
گم راہ اور دوسروں کو گم راہ کرنے والا ہے اور پتے امام ورہ نما اگر
ہیں تو وہ صرف علی بن ابی طالب۔“
بریر نے کہا :

”بے شک میرا مذہب یہی تھا اور اب بھی میں اپنی بات پر
قائم ہوں۔“

نیریدین معقل: "فانی الشہداء فانك من الضالین میں تو گواہی دیتا ہوں کہ تم گم راہ ہو۔"

یومیر: "اچھا تو یہ تدبیر نہ کرو کہ ہم اور تم مباہلہ کریں اور خدا سے دعا کریں کہ وہ کاذب پر لعنت کرے اور جو باطل پر ہودہ دوسرے کے ہاتھ سے قتل ہو پھر اس کے بعد میں گل کر تم سے جنگ کروں۔"

نیرید: "اچھا یوں ہی ہے۔"

مباہلہ ہوا اور دونوں نے دعا کی کہ بارانہا! جو حق پر ہودہ دوسرے کو قتل کرنے میں کامیاب ہو۔ اس کے بعد آپس میں تلوار چلنے لگی۔ نیرید نے ایک وار بریر پر کیا جو اوجھا پڑا اور کوئی صدمہ بریر کو نہ پہنچا۔ بریر کی جو باری آئی تو ایک تلوار ایسی لگائی جو منفرد کو کاٹتی ہوئی کاسہ سر میں پہنچی اور وہ گھوڑے سے گرا اس طرح کہ تلوار یومیر کی اس کے سر میں قائم تھی اور بریر نے اطمینان کے ساتھ تلوار کو اس کے سر سے کھینچا۔ (طبری جلد ۶ ص ۲۴)

اب تو معلوم ہوا کہ انصار حضرت سید الشہداء کا مذہب کیا تھا اور مخالف جماعت کس فرقہ سے تعلق رکھتی تھی؟

مجھ کو یہ دیکھ کر مسرت محسوس ہو رہی ہے کہ سب کچھ کہہ پا ہوں کہ اپنی زبان سے نہیں اور نہ اپنا طبع زاد بلکہ وہ ایک مسلم امامین اور حافظ السنن کی تاریخی شہادت ہے جس کے دیکھنے کے لیے دیدہ بینا کی ضرورت ہے۔

مباہلہ کا نتیجہ یوں کے اندر غیر مبہم لفظوں میں سامنے موجود ہے اور جس بات پر مباہلہ ہوا تھا وہ بھی بغیر کسی گنجائش کے پیش نظر ہے۔ اس سے حق و باطل کا نقشہ بھی بغیر

کسی حجاب کے سامنے آجاتا ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ حق کس طرف تھا اور وہ
یکوں کر ظاہر ہوا؟

(۶)

بُریڑ بھر کر قتل ہو گئے اور اُن کا قاتل کعب بن جابر بن عمرو ازدی فتح و
ظفر کی مسرت اور جائزہ و انعام کے خوش گوار توقعات کے ساتھ واقعہ کر بلا کے بعد
اپنے گھر کو فہ واپس گیا، لیکن اس کی سوری یا بہن زوار بنت جابر نے کہا:
”تو نے فرزند فاطمہؑ زہرا کے قتل میں شرکت کی اور سیدہ القراءہؑ کو
کو اپنے ہاتھ سے قتل کر کے بڑا غضب کیا، اب میں تجھے کبھی بات نہ کروں گا“
اس موقع پر کعب بن جابر نے جو اشعار نظم کیے وہ درج ذیل ہیں:
سلی تخبی عتی زانت ذمیمۃ غداۃ حسین الرواح شوارع
لوگوں سے دریافت کر تجھے معلوم ہو گا میرا حال حسینؑ والے دن جب کہ
نیزے جنگ کے لیے سیدھے ہو چکے تھے۔

المرات اقضوا کرہت لم یجذل علی غداۃ الروح ما انا صاخر
کیا میں نے بہترین طریقہ پر انجام نہیں دیا اُس امر کو جس کا تجھ کو صدمہ
ہے اور یہ کہ عالم جنگ میں اُس کار نمایاں کے انجام دینے میں تجھ سے کوئی
کوتاہی نہیں رہی۔

معی یزنی لمرقنۃ کعبیہ و امیض مخشوب الغرادرین قاطم
میرے پاس ایسا نیزہ تھا جس نے میدان جنگ میں دغا نہیں کی اور

تلوار تھی کہ جس کی دھار تیز اور کاٹ دار تھی۔

فجرو دتہ فی عصبة لیس بینہم بدینی وانی با بن حرب لقانہ
میں نے اُس تلوار کو کھینچ لیا ایسی جماعت کے قتل کے لیے کہ جن
کا مذہب میرے مذہب سے جدا گانہ ہے اور میرا دار و مدار تو ابوسفیان
کی اولاد پر ہے۔

ولہ تر یعنی مثلہم فی زمانہم ولا قبلہم فی الناس اذا ما یافہم
اس میں شک نہیں کہ میری آنکھ نے اُن لوگوں کے ایسے لوگ نہ دیکھے تھے
نہ اُن کے زمانہ میں اور نہ اُن کے پہلے اُس وقت کہ میری نوجوانی تھی۔
اشد قرا عابا السیولدی الوغا الکلم من عجبی الذماد مقادع
جو تمام دنیا سے زیادہ جنگ کے موقع پر سخت شمشیر زنی کرنے والے ہوں
اور بے شک جو اپنی ذمہ داری کی حفاظت کرنے والا ہو گا وہ اسی
طرح شمشیر زنی کرے گا۔

وقد صبر واللطعن والضربا وقد نازل الوان ذلک فاضع
وہ نیز و شمشیر کھانے کے لیے زہریں آتار آتار کر مقابلے پر کھڑے ہے
اور جنگ بھی خوب کی لیکن (قلبت قعدا اور دشمن کی قوت کے
سبب) اُن کو جنگ سے فائدہ کب تک پہنچ سکتا تھا۔

فابصر عبدا للہ اما القیتہ بانی مطیع الخلیفۃ سامع
کوئی میرا پیغام ابن زیاد سے مل کر پہنچا دے کہ میں بہ جان و دل خلیفہ
وقت کا مطیع و تابع فرمان ہوں (طبری جلد ۶ ص ۲۲۸، ۲۲۹)۔

”لیس دین ہم بدینی“ کانقرہ بتلا رہا ہے کہ اُس کا مذہب انصارِ امام حسینؑ کے مذہب کے خلاف ہے اور انصارِ امام حسینؑ کے مذہب کی تصویر اُس عقیدہ میں صفا نظر آرہی ہے جس کا مبلغ کے موقع پر ثوبین نے اعلان کر دیا۔

⑥

اب صحابِ امام حسینؑ میں سے نافع بن ہلال عجمی جنگ کے لیے نکلے اور وہ یوں رجز پڑھ رہے تھے:

”انا العجمی انا علی دین علی“ میں قبیلہ بنی عجم

میں سے ہوں اور علیؑ کے مذہب پر ہوں۔

ایک شخص مقابلہ پر نکلا جس کا نام مزاحم بن حریت تھا اُس نے کہا:

”انا علی دین عثمان“ میں تو عثمانؓ کے مذہب پر ہوں۔

نافع نے کہا:

”انت علی دین شیطان“ یہ کہہ کر حملہ کیا اور اُسے قتل کر ڈالا۔

(طبری ص ۱۲۹)

اے لیجیے! اب تو تاریخ نے کوئی تسمہ باقی نہیں رکھا۔ طرفین کے مذہب کو اتنی روشنی کے ساتھ پیش کر دیا ہے کہ شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی۔

⑦

عین موقع جنگ پر لشکرِ عمر سعد میں عمر دین اکحلج نے کھڑے ہو کر آواز دی:

”یا اهل الکوفۃ الزموا طاعتکم و جماعتکم ولا تترکوا
فی قتل من مرق من الدین و خالفت الامام“
اے اہل کوفہ! امیر کی اطاعت اور اپنی متفقہ رائے پر سختی سے قائم رہو
اور شک نہ کرو ان لوگوں کے قتل میں جو مذہب سے نکل گئے ہیں اور امام
کی مخالفت کر رہے ہیں۔

امام حسینؑ نے آواز سنی اور فرمایا:

”اے عمر بن ابی جراح تو میری جنگ کے لیے لوگوں کو آمادہ کر رہا ہے؟ کیا ہم
مذہب سے نکل گئے اور تم مذہب پر قائم ہو؟ خدا کی قسم جب یہ چند ذرہ دھڑکی
ختم ہوگی اور موت کا مزہ چکھو گے اس وقت معلوم ہوگا کہ کون مذہب سے نکلا
تھا اور کون اس تشبیہ میں سزا پانے کا مستحق ہے (طبری ص ۲۳۹)

اب کوئی بتلائے کہ وہ کون سا مذہب ہے جس سے علیحدہ ہونے کا الزام حسینؑ اور صحابہ
حسینؑ کو دیا جا رہا ہے اور نزدیک امامت کو تسلیم کرتے ہوئے مخالفت امام کا الزام تاریخ
اخلاق و سیدھی کی روشنی میں کس جماعت کی طرف سے عائد کیا جاسکتا ہے؟ !!

⑨

زند رسولؐ شہید ہو چکے اور حرم رسالت کے مخدرات امیر مکرر بار بار بنیاد
میں ملائے گئے اور ابن زیاد نے اعلان کرایا کہ لوگ مسجد جامع میں مجتمع ہوں۔ اس
موقع پر ابن زیاد نے منبر پر جا کر جو تقریر کی ہے اس کا اقتراچی حصہ یہ ہے:

”الحمد لله الذی اظهر الحق و اهلہ و نصیر امیر المؤمنین

یزید بن معاویہ و حزبه و قتل ... الحسين بن علی و شیعته
 ”خدا کا شکر جس نے حق اور اہل حق کو فتح عنایت کی اور خلیفہ وقت
 یزید بن معاویہ اور ان کے گروہ کی مدد فرمائی اور حسین بن علی کو ان کے
 شیعوں سمیت قتل کیا (طبری ص ۲۶۳)

اس سے بھی صریحاً ظاہر ہے کہ حسین کے ساتھ قتل ہونے والی جماعت شیعہ
 تھی اور ان کے قتل کرنے والے اُس جماعت سے تعلق نہ رکھتے تھے بلکہ وہ اُس مذہب کے
 نام لیا کرتے تھے جسے ابن زیاد حق کہتے ہوئے اُس کی فتح پر شکر ادا کر رہا ہے اور وہ یزید
 کو امیر المؤمنین اور خلیفہ حق سمجھنے والی جماعت میں داخل تھے۔

۱۰

شہداء راہ خدا کے سران زیاد کے حکم سے زحر بن قیس کے ساتھ امیر شام
 یزید بن معاویہ کے پاس بھیجے گئے اور زحر نے دربار میں آکر فتح و نصرت کی مبارکباد
 دیتے ہوئے کربلا کے واقعہ کی روداد اپنی غلط بیانی کے ساتھ اس طرح بیان کرنا شروع کی

”ابشریا امیر المؤمنین بفتح الله ونصره ورد علينا
 الحسين بن علي ثمانمائة عشرين اهل بيته وستين من
 شيعته فسرنا اليهم فالتا هم ان يستسلموا ونازلوا على
 حكم الامير عبيد الله بن زياد او المقتال فاخثاروا القتال
 على الاستسلام فعدونا عليهم مع شوق الشمس فحطنا بهم
 من كل ناحية حتى اذا اخذت السيوف مأخذها من هام

القوم ریحاً یون الی غیر وزر ویلوذون متناً بالاکامر والمخفلاً اذا
 کمالا الذحمائم من صدق فواللہ یا امیر المومنین ما
 کان الاجز وجزورا ونومتراً قائل حتی اتینا علی اخرهم
 فها تیک اجسادهم مجردة وثیابهم مرملة وخذودهم
 معقرة تصبرهم الشمس وتسفی علیهم الريح زوارهم
 العقبان والرخم۔

خوش ہو جیے اے امیر المومنین خدا کی فتح و نصرت سے آپ کو معلوم
 ہونا چاہیے کہ حسین بن علیؑ ہمارے سامنے آئے اور ان کے ساتھ اٹھارہ
 آدمی ان کے اہلیت میں سے تھے اور ساٹھ آدمی ان کے شیعوں میں سے
 ہم نے ان سے مطالبہ کیا کہ یا تو وہ تابع فرمان ہو جائیں اور امیر حبیب اللہ
 بن زیاد کے حکم کو تسلیم کر لیں اور یا جنگ کریں مگر ان لوگوں نے جنگ
 کو اختیار کیا۔ آفتاب نکلا اسی تھا کہ ہم ان کی جنگ کے لیے چڑھ دوڑے
 اور ہر طرف ان کا محاصرہ کر لیا۔ یہاں تک کہ جب ان کے سروں پر
 ہماری تلواروں نے پورا قابو پا لیا تو ان کی یہ حالت تھی کہ وہ چاروں طرف
 بھاگتے پھر رہے تھے۔

(جتنا چاہے ظالم مھوٹ بولے۔ امیر شام کا دربار ہے اور زبان تیرے دہن میں اور
 خدا کا ڈر دل میں نہیں)

لیکن کہیں پناہ نہ ملتی تھی اور وہ پہاڑیوں اور گڑھوں میں پھپھتے پھر رہے
 تھے اسی طرح جیسے کبوتر باز شکاری سے پھپھتے پھرتے ہیں۔ خدا کی قسم اے

امیر المؤمنین! بس اتنی دیر لگی تھی کہ جیسے تھاب گو سفند کو ذبح کرے
 یادو پہر کو کسی کی آنکھ لگ کر کھٹ جائے کہ ہم نے اُن کی پوری جماعت کو
 کاٹ کر ڈال دیا۔ اب یہ نظر آنکھوں کے سامنے ہے کہ اُن کے جسم پر ہنہ
 پڑے ہیں اور اُن کے کپڑے خاک میں اُٹے اور اُن کے خضار مٹی میں
 بھرے ہیں، آفتاب پوری شرافت کے ساتھ اُن پر چمک رہا ہے اور ہوا
 کے جھونکے مٹی اُڑا اُڑا کر اُن پر ڈال رہے ہیں اور طائران ہوا اُن کے
 گرد جمع ہیں۔“

طبری کے راوی کا بیان ہے (اگرچہ ہم کو اس کا یقین نہیں) کہ اس دل دوز
 مرتع کا تصور کر کے زید کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ (صفحہ ۲۶۵)
 ابو حنیفہ دینوری کی کتاب الانباء الطول صفحہ ۲۵ اور دیرنی کی کتاب
 حیوۃ الجوان جلد ۵۳ میں بھی یہ تقریر موجود ہے لیکن وہاں اس کی شہرین ذی الجوشن
 کی طرف نسبت دی گئی ہے جو دوزخ قیاس نہیں ہے۔

ہمارا مطلب اس جملہ سے ہے کہ ”ستین من شیعہ“ یعنی حسینؑ
 کے ساتھ اٹھارہ اُن کے اہلبیت اور ساٹھ اُن کے شیعہ تھے۔ اب تو معلوم ہوا کہ
 حسینؑ کے قدم پر اس ثبات قدم و استقلال کے ساتھ جس کی تطہیر پیش کرنے سے
 تاریخ قاصر ہے، جان نثار کرنے والے شیعہ ہی تھے اور وہ کثیر التعداد جماعت جو
 قتل حسینؑ کے لیے جمع ہوئی تھی شیعیت سے کوئی واسطہ نہ رکھتی تھی۔

⑪

قتل حسینؑ کی خوش خبری ابن زیاد کی طرف سے مختلف اطراف میں بھیجا جا رہی تھی

جن میں سے عبد الملک بن ابی الحارث سلمیٰ قاصد بنا کر مدینے بھیجا گیا کہ وہ عمرو بن سعید بن العاص کو جو اُس موقع پر مدینے کا حاکم تھا اس واقعے کی خبر کرے۔
 قاصد پہنچا اور حاکم مدینہ کو واقعہ سے مطلع کیا۔ اُس نے کہا کہ اچھا جا کر مدینہ کے گلی کوچوں میں اس کا اعلان کر دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ عبد الملک بن قاتل نے
 ”فلم اسمع والله داعیة قط مثل داعیة نساء بنی ہاشم“

فی دوسرا من علی الحسین؟

”میں نے آج تک ایسا کھرام نہیں سنا تھا جیسا بنی ہاشم کی عورتوں میں گھروں کے اندر حین پر کھرام برپا ہو گیا تھا۔“
 یہ دیکھ کر عمرو بن سعید ہنسا اور عمرو بن معدی کرب کا یہ شعر مشا لا پڑھا۔

عجت نساء بنی زیاد عجة کعجیم نسوتنا غلاة الادنب
 یعنی آج ان عورتوں کو اُسی طرح رونا پڑا ہے جیسے ہماری عورتیں ایک
 وقت میں رو چکی ہیں۔ پھر کہا کہ ہذاہ داعیة بواعیة عثمان
 بن عفان یہ کھرام میلے میں ہے اُس کھرام کے جو عثمان بن عفان کے
 قتل سے ہوا تھا (طبری ص ۲۶۰)

ہاں بے خبر دنیا چند دن کے لیے ہنسا رہی ہے تو ہنس لے لیکن یاد رکھ کہ
 اس کا نتیجہ سر رکڑ کر رونے کے سوا کچھ نہیں، عثمان کے خون کا بدلا حسین سے ہے !
 اچھایوں ہی یہی لیکن یاد رہے کہ عثمان کے بعد ان کے قاتل پھلے پھولے
 اور ایک طویل عرصے تک دنیا میں زندگی بسر کی لیکن حسین کے قاتل چند ہی روز میں
 اس طرح نیست و نابود ہوں گے کہ ان کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے گا۔

یہی سلسلہ تاریخی شہادتیں جو قاتلانِ حسینؑ کے مذہب کی ترجمانی کر رہی ہیں۔ ان کو شیعوہ کہنے والے سامنے آئیں اور نکال ڈالیں طبری میں سے ان اوراق کو جو قاتلانِ حسینؑ کو غیر شیعہ بتلا رہے ہیں اور دریا برد کر دیں اُن تاریخوں کو جو اُن کی ہم مذاہب ہیں۔ اُس وقت بے شک یہ جرات کرنے کا موقع ہے کہ وہ پھر کہیں "قاتلانِ حسینؑ شیعہ تھے"۔

عام اہل کوفہ کا مذہب

یہ خیال اکثر دماغوں میں گردش کرتا ہے کہ اہل کوفہ عام طور پر شیعہ مذہب کہتے تھے کیوں کہ وہ جبل و صفین و نہروان میں حضرت علیؑ کے شریک جنگ اور معاون و ہم درو تھے اور اس طرح جو کچھ حضرت علیؑ کو اپنے اصحاب نے تکلیفیں پہنچیں وہ شیعوں کی سیاہ کاریاں ہیں اور حضرت امام حسنؑ کو جو مصائب برداشت کرنا پڑے وہ بھی ان ہی کے ہاتھوں اور یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے امام حسینؑ کو شہید کیا اور اس کی سند میں حبشیل جو الے پیش کیے جاتے ہیں :

(۱) حضرت مسلم نے جو پیغام امام حسینؑ کے پاس بھیجا تھا۔ اس میں لکھا تھا :

« لا یغدرک اهل الکوفة فانهم اصحاب ابیہ الذین

یتمنی فراقتهم بالموت او القتل »

اہل کوفہ کے قریب میں نہ آئیے کیوں کہ آپ کے والد کے یہ وہی اصحاب

ہیں جن سے بدعت موت یا قتل وہ جدائی کے مستمنی تھے۔

(۲) خود حضرت نے اہل کوفہ کو مخاطب کر کے فرمایا :

”اگر شامے درگوں کیند و عہد بشکیند و عمل بیعت از گردن فرو
 نہید، قسم بجان من کہ از شام گشت نہ باشد چہ با پدر من علیؑ و برادر من
 حسن و پسر من مسلم جہان نہ کردید“ (نسخ التواریخ)
 (۳) محمد خفیفہ نے جب مکہ میں امام کو سفر عراق سے منع کرنا چاہا تو کہا:
 ”اے برادر! جو کچھ غدر و سرکشی کو ذہن نے آپ کے پدر و برادر کے ساتھ
 کیا آپ جانتے ہیں، میں ڈرتا ہوں کہیں آپ کے بھی اسی طرح سلوک کریں؟
 (جلال الدین)

لیکن مندرجہ ذیل دو تنفیحوں کے بعد یہ پوری تقریر پاور ہوا ثابت ہوتی ہے:
 (۱) حضرت علیؑ کی بیعت کر کے آپ کے ساتھ لڑائیوں میں شریک ہونے والوں
 نے آپ کے رسولؐ کے بعد بحیثیت وہی برحق و خلیفہ بلا فصل بیعت کی تھی یا پہلے دوسرے
 تیسرے دور کے بعد بحیثیت خلیفہ رابع کے؟
 (۲) حضرت علیؑ کو خلیفہ چہارم ہونے کی حیثیت سے امام تسلیم کرنے والا کس
 مذہب کا شخص ہو سکتا ہے؟

ان دونوں سوالوں کا جواب اتنا واضح ہے جس کے لیے کسی توضیح کی ضرورت نہیں۔
 تاریخی حیثیت کا مسلم ہے کہ حضرت علیؑ کو ظاہری خلافت کے دور میں چوتھے ہی
 درجہ پر تسلیم کیا گیا تھا اور آپ کے ساتھ والے لوگ خواہ کفہ کے ہوں یا غیر کوفہ کے۔
 اکثر و بیشتر اسکی حیثیت آپ کی اطاعت کا فرض ادا کر رہے تھے اور یہ امر صہولتاً اہل
 کے علم کا بدیہی مسئلہ ہے کہ حضرت امیرؑ کے متعلق جو تحفہ منبر و خلافت کا اقرار شہمی جماعت
 کا عقیدہ نہیں ہے بلکہ سواد اعظم کا طرہ امتیاز ہے۔

اس کے بعد حضرت علیؑ کو اپنے اصحاب کے شکایتیں پیدا ہوئیں اور افسوس تک
 صود میں پیش آئیں تھیں ان کی ذمہ داری بھی جماعت پر عائد کرنا صریحی تا انصافی ہے
 ”حقیقت اگر علیؑ یا امام حسنؑ کو شیعوں کی جماعت ملتی یعنی وہ کہ جو علیؑ کو ان کے
 حقیقی رتبے کے ساتھ پہچانے ہوئے تھے تو ان کی جاں نثاری کی صورت ہی
 مختلف ہوتی۔“

اب ہمارے اس بیان کی روشنی میں اگر ان فقرات کو ایک مرتبہ دوبارہ
 پڑھیے کہ لا یعزرون اهل الحکوة فانهم اصحاب ابيات آپ اہل کو ذمے
 دہر کا نہ کھائیں یہ وہی آپ کے والد کے صواب ہیں۔ وغیرہ وغیرہ تو نتیجہ بالکل برعکس نظر
 نظر آئے گا کہ اسلام ہو گا کہ کوئی میں اکثریت اس مذہب کے لوگوں کی تھی جو حضرت
 کو چوتھے درجے پر مان کر حضرت کے گرد جمع ہو گئے تھے۔
 اب کہنے دیجیے قاضی نور اللہ شوشتری کو کہ تشیع اہل کو ذمہ حاجت باقامت دلیل
 نہ دار و دینی بدون کوئی الاصل خلاف اصل و محتاج بہ دلیل است۔ یہ ان کا ذاتی
 خیال ہے اس کے وہ خود ذمہ دار ہیں۔

اور پھر وہ اہل کو ذمہ کے تشیع کو مطابق اصل قرار دیتے ہوئے اس کے خلاف
 پہلو کو محتاج دلیل بتلاتے ہیں اور ہم نے قائلان حین کے مذہب پر کافی ادلتا قاک
 کو کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ان کو شیعہ مذہب کے کوئی تعلق نہ تھا۔ اس کے بعد اصل
 کی آڑ پھڑنا بالکل بے اصل ہے۔

شیعیان کوفہ کی قتل حسینؑ سے بے تعلقی

کوفہ میں جماعت شیعہ کی تعداد، اہل کوفہ کے خطوط اور رائے عامہ کی نوعیت، حضرت مسلمؑ کی شہادت اور انقلاب کوفہ کے علل و اسباب، جماعت شیعہ کی بے گناہی اور اس پر تاریخی نصوص و شہادت قتل امام حسینؑ کا الزام اس جماعت اہل کوفہ پر عائد کرنا جو امام حسینؑ کی حقیقت بلانے والی تھی اور یہ کہنا کہ وہ شیعہ ہی تھے واقعیت سے کوسوں دور ہے اور اس خیال کی حقیقت واضح کرنے کے لیے ضرورت ہے کہ صحیفہ تباہ کا چند ورق پچھلے سے الٹ کر مطالعہ کیا جائے۔

شیعہ کہ جنہیں مذہبی حیثیت سے حقیقی معنی میں شیعہ کہا جاسکتا ہے ان کی تعداد ابتدا ہی سے بہت کم تھی لیکن دوستی اہلبیت کا دم بھرنے والے اور اولاد اہلسیفان کے مقابلہ میں حضرت علیؑ کو حق دار خلافت سمجھنے والے جنہیں اس زمانے میں شیعہ علیؑ اور شیعہ اہلبیت کہا جاتا تھا ان کی تعداد کافی تھی۔

گزرا ہے ایک زمانہ کہ جب کوفہ شیعہ اہلبیت سے چھٹک رہا تھا لیکن دوسرے معاویہ کا حاکم اسلامیہ پر تسلط ہوا اور کوفہ پر اپنے نامعلوم باپ کا بیٹا زیاد حاکم مقرر ہوا اور شیعہ اہلبیت کوفہ پر مظالم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور عراق کی چوڑی چلی زمین ان پر تنگ ہو گئی، ان کا ہر نفس ائمہ کے لئے خطرات کی مشین بن گئی اور دوسرا دہائیہ اپنے آخری ہونے کا پیغام سناتا تھا۔

ابو الحسن مدائنی نے کتاب الاحداث میں اُس زمانے کی مرتع کشتی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :

”كان اشد الناس بلاء حينئذ اهل الكوفة لكثرة
من بها من شيعة علي فاستعمل عليهم زياد بن سمية وضم
اليه للبصرة فكان يتبع الشيعة وهو بهم عارف لانزكا
منهم ايام علي فقتلهم تحت كل حجر ومدروا خانهم
وقطع الايدي والارجل وسمل العيون وصلبهم على
جذوع النخل وطردهم وشردهم عن العراق فلم يبق
بها معروف منهم“

معاویہ کے دور حکومت میں تمام لوگوں میں سب سے زیادہ مصیبت میں
اہل کوفہ تھے اس لیے کہ وہاں شیعیان علیؑ کثیر تعداد میں موجود تھے، وہاں
کا حاکم بھی زیاد بن سمیہ مقرر کیا گیا اور اُس نے شیعوں کو پوری جستجو کے
ساتھ گرفتار کیا، اور وہ ان کو پہچانتا بھی خوب تھا کیوں کہ علیؑ کے زمانے
میں وہ ان ہی لوگوں کے ساتھ تھا۔ اُس نے ان کو جہاں پایا قتل کیا اور
ہاتھ پاؤں قطع کیے اور آنکھوں میں سلاٹیاں پھر دائیں اور درختوں پر
سولیاں دلوائیں اور عراق سے جلا وطن کیا، یہاں تک کہ کوئی مشہور و
معروف شخص ان میں سے باقی نہیں رہا (نصائح کا فیہ منک)

اس صورت حال کے بعد ناممکن تھا کہ کوفے کے اندر شیعہ جماعت کے لیے کوئی نمایاں
جیت باقی رہتی بلکہ اُسے جانے، سولی پانے اور جلا وطن ہونے کے بعد جو بچے بچے

اشخاص موجود بھی تھے وہ گوشوں کے اندر اور پردوں کے نیچے زندگی بسر کرنے پر مجبور تھے اور شیعیت کا نام بھی زبان پر لانا اپنے استحقاق قتل کی دستاویز خیال کرتے تھے۔

مثلاً مشہور ہے کہ ”ظالم کی رشتی دراز ہوا کرتی ہے“ زمانے کے ورق اُٹتے رہے لیکن قدرت کو ایک طویل زمانے تک ان بے کسوں کا امتحان لینا منظور تھا۔ صورتِ حال دو ایک ماہ، دو ایک سال نہیں بلکہ بیس سال تک قائم رہی جس میں نیچے جوان اور جوان بوڑھے اور بوڑھے فنا ہو گئے، شیعیت ایک مخصوص، با معرفت اور صاحبِ ایمان جماعت میں مخفی حیثیت سے پرورش پا رہی تھی اور وہ جماعت کوفہ کے اتنے بڑے شہر میں گم نامی کی زندگی بسر کر رہی تھی۔

روسائے عشاؔر اور شیوخ قبائل، ذمہ دار و باعتبار اشخاص سب حکومت و قوت کے ساختہ و پرداختہ اور اُس کی خیر خواہی و وفاداری کی قسم کھائے ہوئے اور شاہی مذہب کے حلقہ بگوش و عقیدت کش تھے۔

وہ گئی عام خلقت جس پر انقلاباتِ زمانہ کا دار و مدار ہوتا ہے وہ بلا استثناء ہر ملک میں اور ہر جگہ ”ہر کے سکے زند خطبہ بنامش خواتد“ کے مطابق ہوا کے رخ پر اڑنے والی اور زمانے کے غیر معمولی حوادث سے سرعت کے ساتھ رنگاں بننے والی ہوا کرتی ہے۔

اُن میں ایک ایسا اچانک امر جس میں جوش انگیزی کی طاقت ہو وہ انقلاب پیدا کر سکتا ہے جو برسوں کی دعوت و تبلیغ پیدا نہیں کرتی۔

اس کے نمونے حکومتوں کے تغیر و تبدل اور سلاطین کے عزل و نصب کی صورت میں ہمیشہ نظر سے گذرتے رہتے ہیں اور وہ اکثر و بیشتر اسی قسم کی ناگہانی صورتوں کا

نیچو ہوتے ہیں۔

بے شک بین سال تک صورت حال ایک طرح رہنے کا سبب ہی تھا کہ اس مدت میں کوئی تازہ حادثہ رونما نہیں ہوا جو رجحانات طبعی سے ٹکرا کر ان کو سیلاب کی طرح کسی خاص طرف متوجہ کر سکے۔

سنہ ۱۱۰۰ کے جبکہ مہینہ وہ تھا کہ جس میں امیر معاویہ نے انتقال کیا اور ان کا نام زد کردہ خلیفہ وجائشین ان کا بیٹا زید ہوا۔ ایسے ہی مواقع وہ ہوتے ہیں جو پرسکون فضا میں توجہ اور مطمئن سطح میں تلامذہ پیدا کر دیتے ہیں نقطہ ہر شخص سابق فرماں روا کے بعد اپنے جدید والی سلطنت اور قسمت کمال کی سابقہ زندگی اور اس کے اخلاق عادات اور ذاتی خصوصیات کے متعلق معلومات حاصل کرنے میں لذت محسوس کرتا ہے اور بیک وقت مختلف حلقوں اور جماعتوں میں یہی چرچے شروع ہو جاتے ہیں۔

زید کے اخلاق و عادات، اس کی بے فوہی اور شہوت رانی، اور اس کی طفلانہ جوانی اور لہو و لعب میں سرگرمی، احکام شرعیہ سے آزادی اور خواہشات نفس کی پرتاری ایسی نہ تھی جو مخفی حیثیت رکھتی ہو۔

جاننے والوں کو یاد آگیا اور انجام کا نقشہ آنکھوں میں پھرنے لگا اور نہ جاننے والوں کو پوچھ گچھ میں معلوم ہوا کہ ہمارا ہونے والا خلیفہ و مالک سلطنت ان صفات و عادات کا شخص ہے۔

اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ایک عام بے چینی، اضطراب، زلفت و بے زاری کا جذبہ سینوں میں پیدا ہو گیا، اور اسی کے ساتھ آنکھیں گردش کرنے لگیں کہ کون ہے جو اس آٹے وقت پر کام آئے اور ان ذمہ داریوں کو جو سلطنت و خلافت کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں

اپنے کاغذ سے پراٹھا کر اُمت اسلامیہ کو اس بدکردار خلیفہ کے ہاتھ سے چھپکارا۔ اسی کے ساتھ یہ خبریں بھی شہر ہوئیں کہ حسین بن علیؑ نے یزید کی خلافت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے اور وہ اسی لیے مدینے سے ہجرت کر کے مکہ معظمہ آگئے ہیں اور یہ طے کر لیا ہے کہ جو کچھ بھی ہو یزید کی بیعت نہ کریں گے۔

اُس وقت شیعوں کی اُمت جماعت کو جو میں برس کی طویل مدت تک طرح طرح کے صبر آزما مظالم برداشت کرتے کرتے عاجز آچکی تھی اور ہر وقت اور ہر آن حضرت احدیتؑ کی جانب سے کشائش و نصرت کی منظر تھی، اپنی مایوسیوں کی مدت سے چھائی ہوئی تاریک گھٹائیں اُسید کی شعاعیں نظر آنے لگیں اور اُن کے ضمیر نے آواز دی کہ اس موقع سے بہتر کوئی موقع نہ ملے گا اور اس وقت کا سکوت خودکشی کا مرادف ہوگا۔

یہ سوچ کر سلیمان بن عمرو صحابی رسولؐ کے گھر میں مجتمع ہوئے بن ریدہ اور تجزیہ کار سلیمان نے جو رسالت آپؐ کی آنکھیں دیکھے ہوئے اور امیر المومنین علیؑ بن ابی طالب کے ساتھ لڑائیوں میں شریک رہ چکے تھے، مجمع کو ان الفاظ سے مخاطب کیا

”ان معاویۃ مملات وان حسینا قد تقیض علی القوم

بیعتہ وقد خرج الی مکة وانتم شیعتم وشیعۃ ابیہر فان

کمتم تطعمون انکم زانجون مجاہد وعدوہ فالقبوا الیہ

وان سخطتم الوہن والغسل فلا تغردوا الوجہ من نفسہ

معاویہ کا انتقال ہوا اور حسینؑ نے یزید کی بیعت سے انکار کیا

اور وہ مکہ معظمہ چلے گئے ہیں آپ لوگ اُن کے اور اُن کے پیروں کو اور

کے شیعہ ہیں، اگر آپ اس بات کا یقین رکھتے ہوں کہ اُن کی نصرتِ
مرد میں اور اُن کے دشمنوں سے جنگ میں کوتاہی نہ ہوگی تو بسم اللہ اُن
کو خط لکھیے اور اگر سستی و کم زوری کا خوف ہو تو برے خدا اس ہستی کو
فریب دے کر اُس کی جان کو خطرے میں نہ ڈالیے۔

الفاظ سے ظاہر ہے کہ سلیمان ایک مقرر کے فرض کو ادا کرتے ہوئے گرجتے برستے الفاظ
سے وقتی جوش کو برا نگینختہ اور الفاظ کی طاقت سے رگوں میں خون درڑا کر اپنے مقصد کو
حاصل نہیں کرنا چاہتے بلکہ وہ مجھے سے خود اُن کے موجودہ جوش اور دلوں کی آخری تھلاہ
اور موقع اقدام عمل پر اُن کی انتہائی کارفرمائی کا جائزہ لونا چاہتے ہیں اور اسی کے
ساتھ اُن کو موقع کی نزاکت اور آئندہ کے خطرات کا اندازہ کر دینا مقصود ہے۔ یہ
امر فطری ہے کہ جذبات کی براہِ نگینختگی کے موقع پر انسان کو اپنی طاقت کا اندازہ مشکل
سے ہوتا ہے اور وہ عواقب کی فکر اور سخت موقع پر اپنے ثبات قدم و استقلال کی تشخیص
میں غلطی کر جاتا ہے۔ مجمع کے اندر ان کے بڑھتے ہوئے جوش میں سلیمان کے الفاظ نے
وہ کام کیا جو پانی کا پھینڈنا اُٹھتے ہوئے آگ کے شعلوں میں۔ ایک مرتبہ سب بول اُٹھے کہ
ہمیں نہیں ہم یقیناً اُن کے دشمنوں سے جنگ کریں گے اور اپنے کو حضرت کے قدموں
پر تار کریں گے۔

یہ جمعیت کتنی تھی؟ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ وہ کسی میدان یا عالی شان
قصرِ ماریات کے وسیع صحن کی رہیں منت دتھی بلکہ وہ عربی ساخت کے مختصر مکانات میں
سے جن کے نمونے آج تک عربستان میں نظر آجاتے ہیں، ایک مکان سلیمان بن عمرو کے
گھوٹا متبع ہو گئی تھی۔

مذکورہ بالا سوال و جواب اور اس کے الفاظ میں بے شک صداقت کا جو ہر نظر آ رہا ہے اور وہ بولنے والوں کے باطنی ضمائر کی ترجمانی کر رہے ہیں لیکن وہ آئندہ ہونے والے ناگہانی انقلابات کا کہاں تک مقابلہ کر سکتے ہیں؟ اس کا فیصلہ مستقبل ہی کے ہاتھ ہے۔ سلیمان بن صرد کی حجت تمام ہو چکی تھی۔ خط امام حسینؑ کے نام بدین عنوان لکھا گیا :

بسم الله الرحمن الرحيم

لحسن بن علی بن سلیمان بن صرد والمسیب بن نجبة
ورفاعه بن شداد وجیب بن مظاہر وشیعة من المؤمنین
والمسلمین من اهل الکوفة

اس کے بعد معادیر کے انتقال پر اظہارِ مسرت کیا گیا تھا اور لکھا تھا کہ
انه ليس علينا امام فاقبل لعن الله ان يجمعنا باك
على الحق والنعمة بن بشير في قصور الامادة لسنا
فنجتمع معك في جبعة ولا نخرج معك الى عيد ولو قد بلغنا
انك قد اقبلت الينا اخرجنا حتى نلحقك بالشام انشاء
الله والسلام ورحمة الله

ہمارے سر پر کوئی امام نہیں ہے لہذا آپ تشریف لائے، شاید آپ
کی وجہ سے ہم حق کی نصرت پر ہم آہنگ ہو سکیں اور نعمان بن بشیر وارانہ
میں موجود ہے ہم اس کے ساتھ نماز جمعہ میں شریک نہیں ہوتے اور نہ عیلا
جاتے ہیں، اگر ہم کو خبر معلوم ہو جائے گی کہ آپ تشریف لارہے ہیں تو ہم

اُس کو یہاں سے نکال کر شام جلنے پر مجبور کر دیں گے۔ والسلام
اس خط کو عبداللہ بن سبیح ہمدانی اور عبداللہ بن دال کے ہاتھ روانہ کیا گیا۔ یہ سب
پہلا خط ہے جو امام کو مکہ معظمہ میں دسویں ماہ رمضان کو ملا۔

جمعیت شیعہ دینی اور اب ہر ایک نے اپنے حلقہ اثر میں اس تحریک کو پھیلا کر شروع
کیا اور دو ہی دن کے عرصے میں ۵۳۵۰ عرض داشتیں تیار ہو گئیں جو ایک دو تین چار
آدمیوں کے دستخط سے تھیں اور یہ سب خطوط قیس بن مسہر صیداوی اور عبدالرحمن بن
عبداللہ بن کدن لاجبی اور عمارۃ بن عبید سلولی کے ہاتھ روانہ کیے گئے۔

اُس خطر اب اور روحانی غلط فہمی کے سبب جو زبردستی خلافت کی باعث عام طور
پر پیدا تھا اور جس میں کسی مذہب و مسلک کا افتراق نہ تھا، ان حضرات کی مذکورہ بالا
تجزیہ کا ہر طرف سے خیر مقدم کیا گیا اور وہ لوگ جو شیعیت کا جذبہ نہ رکھتے تھے وہ بھی
اس خیال سے نہ ہی کہ حسینؑ تمام دنیا کو چھوڑ کر امامت کے مستحق ہیں بلکہ اس خیال
سے کہ زیدؑ ایسے شراب خوار و فاسق ہے حسینؑ بن علیؑ ایسی کامل ولایت ہے، یقیناً مسلمانوں
کے لیے بہتر ہے اس تحریک کے گرم جوشی کے ساتھ مؤید نظر آنے لگے جس کو دیکھ کر ان افراد
کو جو حقیقت اس تجزیہ کے محرک تھے یہ یقین پیدا ہو گیا کہ رائے عام ہمارے ساتھ ہے اور
اب کام یابی ہمارے قدم سے وابستہ، لیکن درحقیقت یہ فریب نظر تھا، عام خلقت
کو اس تحریک کے ہم دردی ایسی ہی تھی جیسے آندھ کے رُخ پر اُٹتے ہوئے پرندہ۔

اس غلط اندیشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ یا تو پہلے خط میں اجل اللہ یہ جمعنا باعث
کی لفظیں ہم درجا اور اجتماع و اتفاق کا خیال توقع کی صورت میں ظاہر کر رہی
تھیں اور یا اب آخری خط پر رد و الفاظ میں لکھا جاتا ہے جو مضبوط یقین اور

کابل اعتماد کا منظر ہے :

"لحسین بن علی من شیعۃ من المومنین والمسلمین
اما بعد فحیٰ ہذا فان الناس ینظرونک ولا رأی
لہم فی غیرک فالعجل العجل والسلام علیک
تشریف لائے جلد اس لیے کہ لوگ آپ کے منتظر ہیں اور آپ کے
سوا کسی کی وامت تسلیم کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہیں، لہذا جلدی کیجیے
جلدی والسلام"

اس خط کو ہانی بن ہانی ابیسی اور سعید بن عبد اللہ خفیی کے ذریعہ روانہ کیا گیا تھا۔
اب تک جو کارروائیاں ہو رہی ہیں وہ اجتماعی بھی جاسکتی ہیں اس لیے
کہ ان میں جماعت شیعہ اور اہل حق کے ذمہ دار نمایندے پیش نظر آ رہے ہیں اور
وہ کارروائیاں اس خط پر ختم ہو گئیں جو اپنے مضمون کے اعتبار سے بھی بالکل آخری
کہا جاسکتا ہے۔ لیکن اس کے بعد ایک خط کو فے سے جاتا ہوا نظر آتا ہے امام
حسینؑ کے نام جس کے الفاظ یہ ہیں۔

"اما بعد فقد اخضی الجفان وانیت الاثمار و
طمعت الاجام فاذا شئت فاقد مر علی جندک مجد
والسلام علیات

کھیتیاں لہلہا رہی ہیں اور میوے درختوں میں رسیدہ ہیں، مآلات
لب ریز ہیں پس جب آپ چاہیں تشریف لائیں ایک ایسے لشکر کی
جانب جو آپ کے لیے آراستہ موجود ہے والسلام"

اس پر سات آدمیوں کے دستخط ہیں شہبث بن ربعی، حجار بن ابجر، زید بن حارث، یزید بن روم، عذرة بن قیس، عمرو بن ابیجاج، زبیدی، محمد بن عیسٰی۔
(ان واقعات کے لیے ملاحظہ ہو طبری جلد ۶ ص ۱۹۷)۔

زرا پہلے خطوط اور اس خط میں عنوان کی حیثیت سے موازنہ کیجیے۔ ان خطوط میں سے ہر خط میں برابر اپنے تشیع و ایمان کا حوالہ ہے، معاویہ و آل معاویہ کے غضب خلافت کا تذکرہ ہے حسین بن علی کے استحقاق امامت کا اعتراف ہے لیکن اس خط میں یہ کچھ بھی نہیں۔

اس کے علاوہ یہ سات آدمی اگر اس جمعیت کے رکن تھے جو امام حسینؑ کو دعوت دینے کی بانی تھی تو ان اجتماعی خطوط میں ان کا کہیں نام کیوں نظر نہیں آتا، باوجود یہ لوگ کوئی گم نام شخص نہیں بلکہ رؤسائے عشائر اور شیوخ قبائل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ناممکن تھا کہ سلیمان بن صرد اور سیب بن نجہ اور رفاعہ بن شداد اور حبیب بن مظاہر ایسے خراب عبادت میں زندگی گزارنے والے بے اسم و رسم اشخاص کا تو اس میں نام ہو، اور یہ لوگ نظر انداز کر دیے جائیں۔ پھر جب کہ وہ کمیشی ایک آخری کارروائی کر چکی تھی جس میں پُر زور الفاظ میں تعجیل کی درخواست تھی تو اب ان اشخاص کو اس انفرادی مکتوب لکھنے کی کیا ضرورت تھی؟

اور پھر میری قوتِ شامتہ کو تو اس خط کے طرزِ تحریر اور اس کے الفاظ سے بھی کوئی خلوص و محبت کی بوجھس نہیں ہوتی بلکہ برعکس اس کے ٹھہر کو اس کے اندر استہزاء مسخر کا جوہر کارفرما نظر آ رہا ہے۔

آخر حسینؑ کو پہلہائی کھیتوں سے کیا کام اور رسیدہ میوؤں سے کیا غرض،

اور لبے نیرتالابوں سے کیا مطلب؟ پھر اس میں امام حسین کی تشریف آوری کی خواہش کا بھی پتہ نہیں ہے بلکہ آنے کو آپ کی مشیت پر محول کر کے ایک خبر رسانی کی سی صورت ہے کہ یہاں یہ تیاریاں ہو گئی ہیں جب آپ کا دل چاہے تشریف لائیے۔ ان وجوہ سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ان اشخاص کو اُس جماعت سے کہ جو شیعہ کہی جاسکتی تھی کوئی تعلق نہ تھا بلکہ یا تو جب دیکھا کہ خطوط اس قدر جا چکے ہیں کہ امام حسین ضرور ہی ان کے مطالبہ کو پورا کر کے تشریف آوری عراق کا ارادہ کر لیں گے اور موجودہ صورت حال کی بنا پر ان کو کام یا بی بھی جصل ہوگی تو ”ہم بھی ہیں پانچویں سواروں میں“ کی مثل کے مطابق یہ چاہا کہ ہم بھی خطوط لکھنے والوں میں شمار کر لیے جائیں، اس طرح حضرت کی حکومت ہونے پر جس کے توقعات قائم ہو چکے ہیں ہم سے بڑی نہ پیدا ہوگی اور یا اس کے اندر کوئی سازش ضرور تھی جس کی بنا پر متفقہ طور سے یہ خط لکھا گیا تھا۔

یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ ان خطوط لکھنے والوں میں سے جو جماعت شیعہ کے نام سے گئے ہیں ایک شخص کی بھی موجودگی واقعہ کر بلا میں امام حسین کے مقابلہ میں پائی نہیں جاتی، بلکہ اُن میں سے حبیب بن مظاہر نے کر بلا میں امام حسین کے قدموں پر جاں بازی کے ساتھ دم توڑ کر ہمیشہ کے لیے سُرُخِ رومی جصل کی اور اُن اشخاص میں سے جو خطوط کے لے جانے والے تھے سعید بن عبد اللہ حنفی نے اس طرح جاں نثاری کی جس کی نظیر کسی شہید کے یہاں نظر نہیں آتی۔

ظہر کے بعد جب لڑائی نے زور پکڑا اور رُخوں خوار دشمنوں کا لشکر امام حسین کے نزدیک پہنچ گیا اُس وقت یہ جاں باز امام کے سامنے کھڑا ہو گیا اور جو تیر حسین کی طرف آتا تھا اُس کو اپنے سینہ پر روکتا تھا، آخر اتنے تیر رُپے کہ وہ جاں نثار مرد ہو کر

زمین پر گر پڑا (طبری ص ۲۵۵)

اور عبد الرحمن بن عبد اللہ بن کدن الرحبی روز عاشورا امام حسینؑ سے اجازت لے کر میدان قتال میں آئے اور یہ رزم پڑھا :

صبراً علی الاعیاف الا سنة

صبراً علیہا لدخول الجنة

پھر جنگ کی یہاں تک کہ شہید ہوئے (ابصار العین ص ۷۷)

اور قیس بن مہر صیداوی نے اپنی زندگی کے آخری نفس تک جس صداقت و استقلال کے ساتھ اپنے فرض کو ادا کیا، اس کا تذکرہ صفحہ تاریخ پر زریں حروف میں ہمیشہ ثبت ہے گا۔

اس وقت کہ جب امام حسینؑ نے بطن الرمد سے اہل کوفہ کے نام خط لکھے کہ ان کو روانہ کیا اور حصین بن تمیم کے ہاتھوں جو قادیہ میں ناکہ بندی پر مقرر تھے یہ گرفتار ہو کر ابن زیاد کے پاس لائے گئے اور اس نے حکم دیا کہ قصر دارالامارہ پر جا کر حسینؑ بن علیؑ کے بارے میں کلمات نازیبا استعمال کریں۔ یہ موقع تھا جس کو قیس نے بہترین موقع تبلیغ کا سمجھا اور بالائے قصر جا کر بلند آواز سے کہا :

”ایھا الناس ! ان هذا الحسین بن علی خیر خلق الله

ابن فاطمة بنت رسول الله وانا رسول الله وانا رسول الله

فارقته بالحاجر فاجیبوه

سب کو معلوم ہونا چاہیے کہ حسینؑ فرزند علیؑ و فاطمہؑ اس وقت خلق خدا میں سب سے بہتر و افضل ہیں اور وہ مقام حاجت تک پہنچ چکے ہیں، میں نے

بھیجا ہوا ہوں، اب تم سب ان کی آواز پر لبیک کہو۔
 یہ لفظیں ختم ہوئی ہی تھیں کہ ابن زیاد کے حکم سے ان کو قصر دارالامارہ کی
 بالائی سطح سے نیچے گرا دیا گیا اور اس شہید راہ خدا کی ہڈیاں سرمہ سا ہو گئیں۔
 (طبری صفحہ ۲۲۴)

ان خطوط کے لکھنے والے شیعہ تھے اور ان کی براہوت قتل حضرت یثیٰ الشہداء
 سے یقینی طور پر ثابت ہے۔

برخلاف اس کے آخری خط جس پر سات آدمیوں کے دستخط تھے ان میں سے
 پانچ شخص شیث بن ربیع اور حجار بن بکر اور عزرہ بن قیس اور عمر بن حجاج
 زبیدی اور زید بن حارث مسلمان واقعہ کربلا میں موجود اور قتل امام حسینؑ میں شریک
 تھے اور بقیہ دو کے نام اگرچہ کسی موقع پر نظر نہیں آتے لیکن قرآن کی رو سے
 قرین قیاس ہے کہ انھوں نے بھی اپنے ساتھیوں کا ساتھ دیا تھا۔
 یہ وہی اشخاص ہیں جن کے متعلق کافی وضاحت کے ساتھ ثابت کر دیا
 گیا ہے کہ انھوں نے اپنے کو شیعہ لکھا تھا اور نہ واقعات کی بنا پر ان کا جہات
 شیعہ سے کوئی تعلق معلوم ہوتا ہے۔

امام حسینؑ نے اہل کوفہ کے متواتر خطوط دیکھ کر احتیاطی تدبیر یہ کی کہ مسلم بن
 عقیل کو اپنا نمائندہ بنا کر ایک تحریر کے ساتھ روانہ کیا جس میں لکھا تھا :-

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

من حسین بن علی الی المخلص المؤمنین والمؤمنات
 أما بعد فانہا نارا سعیدا قد ما علی بکتبکم وکانا اخر

من قدم علی من رسلکم وقد فهمت کل الذی قصصتم
 و ذکرتم و مقالہ ترجمہ کہ انہ لیس علینا امام فاقبل لعل
 اللہ ان یجمعنا بک علی الہدی والحق وقد بعثت
 الیکم اخی وابن عقی و تقی من اہل بیتی وامرتہ ان
 ینسب الی بحاکم و امرکم و رأیکم فان کتب الی انہ قد
 اجمع رأی ملاکم و ذوی الفضل والحبی منکم علی
 مثل ما قدمہ علی بدر رسالکم و قرأت فی کتبکم بقدر
 علیکم و شیدکا ان شاء اللہ فلعمری ما الامام اکابر
 العامل بالکتاب والاخذ بالقسط والداین بالحق و
 الحاکم نفسہ علی ذات اللہ والسلام

"انی اور سعید تمہارے خطوط لے کر پہنچے، اور یہ دونوں شخص تمہارے
 سب سے آخری قاصد میں جو میرے پاس آئے ہیں۔ میں نے جو کچھ تم لوگو
 نے لکھا تھا اس کو غور سے پڑھا اور سمجھا۔ تم میں سے اکثر کا قول یہ ہے کہ
 ہمارے سر پر کوئی امام نہیں آپ آئیے شاید خدا ہم کو آپ کی بدولت حق
 پر مجتمع کرے اچھا تو اب میں تمہاری جانب اپنے بھائی اور چچا کو بھیجے
 اور اپنے محل اعتماد عزیز قریب کو روانہ کرتا ہوں اور انھیں حکم دے دیا
 ہے کہ وہ مجھ کو تمہارے حالات و خیالات سے مطلع کریں، اگر انھوں نے
 لکھا کہ تمہاری جماعت اور اہل حل و عقد افراد نے اتفاق کر لیا ہے اس
 امر پر کہ جس کو تم نے اپنے خطوط میں ظاہر کیا ہے تو میں عن قریب تمہاری نظر

آتا ہوں اور امام کے کوئی معنی نہیں سوا اس شخص کے جو کتاب
الہی پر عامل اور عدالت کا پابند اور حق کا متبع اور اپنی ذات کو
خدا کی مرضی پر وقف کیے ہوئے ہو، والسلام (طبری صفحہ ۱۹۷ و ۱۹۸)۔

آخری لفظوں میں خط لکھنے والوں کے عقیدہ کشتع کی لطیف عنوان سے
صلح ہے۔ اُن کا کشتع حقیقتہً صرف محبت اہل بیت اور اُن کے مقابلہ میں دُشمن
کو ناقابل حکومت و خلافت سمجھنے تک محدود تھا، لیکن معارف صحیحہ اور عقائد
حقہ جو فرقہ رشیعہ میں بحکم عقل و تعلیم اہلبیت علیہم السلام مسلم حیثیت رکھتے ہیں وہ
اُن کی نگاہوں سے اوجھل تھے۔

اُن کے خطوط کے اندر یہ جملہ پیش پیش نظر آتا ہے کہ ”لیس علینا امام“
ہمارے سروں پر کوئی امام موجود نہیں“ حالانکہ اگر صحیح معرفت امام اُن کے دلوں
میں موجود ہوتی تو وہ سمجھتے کہ امام کی امامت کسی فوج و لشکر اور تاج و تخت کی
محتاج نہیں اور وہ اب نہیں بلکہ دس برس پیش تر سے حسین بن علیؑ کے لیے محفوظ ہے۔ وہ
اس کی محتاج نہیں ہے کہ حسینؑ اُن کی جماعت میں آکر اُن کی نصرت حاصل کریں اور
اُن کے اتفاق و اتحاد سے فائدہ اٹھائیں تب امامت کا انعقاد ہو۔

امام نے اپنے اس جملے میں کہ ما الامام الا العامل بالکتاب الخ ان کو
حقیقت امر پر مطلع فرمایا ہے ”کتاب الہی پر عامل اور عدالت کا پابند اور اپنی ذات
کو ہر حرکت و سکون میں ملازمی طور سے خدا کی مرضی پر وقف کیے ہوئے“ ایسی تفصیل کا
اجمال اور صطلحی مفاد ”معصوم“ ہے اور مطلب یہ ہوا کہ امام کے لیے کسی قہر و غلبہ
کی حاجت نہیں ہے بلکہ جو بھی معصوم ہو وہ بہر حال امام ہے۔

یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ اس خط کی عبارت سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ مسلم بن عقیل جنگ پر مامور نہ تھے اور نہ کوفہ کی تسخیر کے لیے بھیجے گئے تھے بلکہ وہ صرف ایک نمائندے کی حیثیت رکھتے تھے تاکہ کوفہ کی رائے عامہ اور وہاں والوں کے حالات و خیالات کا حضرت سید الشہداء کے متعلق اندازہ کر کے حضرت کو اس سے مطلع کریں۔ حضرت مسلم کے درود کوفہ کے موقع پر طبری اور دوسری مستند تاریخوں نے جو حالات ظلم بند کیے ہیں ان کی بنا پر سلیمان بن صرد خزاعی کی موجودگی کوفہ میں پائی نہیں جاتی ورنہ مسلم کو مختار بن ابی عبیدہ ثقفی کے گھر میں اترنے کی ضرورت نہ پڑتی۔ جب کہ سلیمان بن صرد اس تحریک کے روح رواں اور قائد اعظم تھے اور کوفہ کی جماعت شیعہ میں سب سے زیادہ صاحب جاہت و اقتدار تھے جس کی تصدیق ان الفاظ سے ہوتی ہے جو رفاعہ بن شداد نے اس موقع پر کہے ہیں کہ جب یہ لوگ بعد قتل امام حسین ائمہ عالی تدابیر پر غور کرنے کے لیے جمع ہوئے ہیں اور متیب بن نخبہ نے صورت حال کو پیش کرتے ہوئے کسی سردار کے انتخاب کی تحریک کی ہے۔ اس وقت رفاعہ نے کہا :

”ان رأیت ورائی اصحابنا ذلک دلینا هذا الامر شیعتہ

الشیعة صاحب رسول الله صلى الله عليه واله وذو السابقة

والقدم سليمان بن صرد المحمود في باسرودين والموثوق

بحزمه“

۱۰ مجھ کو معلوم ہے کہ بعض کتب قتال میں مسلم کا ابتدائی قیام سلیمان بن صرد کے مکان پر بتلایا گیا ہے لیکن مستند تاریخی شہادتیں اس کے خلاف ہیں ۱۲

”اگر سب کی رٹے ہو تو ہم اس جہم کی قیادت و سرکردگی سلیمان بن
 صرد کے سپرد کریں جو شیخ الشیعہ اور رسالت مآبؐ کے صحابی اور ہم
 سب پر مقدم اور کارہائے نمایاں کیے ہوئے شخص ہیں جن کی شجاعت
 و دیانت دونوں قابلِ تعریف و ثنا اور موقعِ مبینی و کمزورہ کاری
 محلِ اطمینان ہے (طبری جلد ۱ ص ۴۲)

ان کی موجودگی میں مسلم بن عقیل کو ان ہی کے یہاں قیام کرنا ناگزیر تھا اور پھر مسلم کے
 دورانِ قیام میں اُس وقت کہ جب حالات سازگار تھے اور لوگ بیعت کے لیے
 ٹوٹے پڑ رہے تھے وہاں بھی سلیمان کا کہیں تذکرہ نظر نہیں آتا اور حضرت مسلم کی
 دعوت پر پہلا اجتماع ہوا اُس کے مقرنین کی فہرست میں بھی سلیمان کا نام نہیں
 ہے حالانکہ عرب کی سابقہ و حال تہذیب کے مطابق اگر سلیمان بن صرد موقع پر
 موجود ہوتے تو سوائے ان کے کسی کو سب سے پہلے زبان کھولنے کا اور کسی تقریر کرنے کا
 حق نہ تھا۔

اور اگر سلیمان باوجود وہاں ہونے کے کسی وجہ سے مسلم کی نصرت سے پہلو ہٹتی
 کرتے تو سلیمان کی نمایاں شخصیت کو دیکھتے ہوئے تاریخ میں یہ واقعہ اہمیت کے ساتھ
 مندرج نظر آتا کہ سلیمان اپنے شخص نے مسلم سے بوقتِ درود ہی علیحدگی اختیار کی،
 اور اس کا نتیجہ سب سے بڑا جو ہوتا وہ یہ کہ مسلم کو اس تلخ تجربہ کے بعد اہل کوفہ کی دغا دہی
 اور ثباتِ قدم و استقامت کے متعلق وہ خوش گوار تو تحات قائم نہ ہوتے جن کے
 باعث وہ امامِ جمیع کو لکھتے کہ آپ ضرور یہاں تشریف لائیے۔
 حضرت مسلم نے مختار بن ابوعبیدہ کے مکان پر قیام کیا اور جن جن شخصوں

اطلاع ہوتی گئی وہ مسلم کے پاس شرف زیارت حاصل کرنے کے لیے آتے گئے۔ جب کافی مجمع ہو گیا تو مسلم نے امام کا خط جو جماعت شیعہ کے نام تھا پڑھ کر سنایا جس سے مجمع میں کافی جوش کے آثار ظاہر ہوئے اور عابس بن ابی شیبہ شاکری نے کھڑے ہو کر حمد و ثنائے الہی کے بعد اپنے ذاتی خیال کو ظاہر کرتے ہوئے کہا:

”انی لا اخبرک عن الناس ولا اعلم ما فی انفسہم
وما اخبرک منہم واللہ احد ذلک عما انا موطن لفسی علیہ
واللہ لا جیبکما اذا دعوتہم ولا قاتان معکم عددکم و
رضی بن بسیفی دونکم حتی اتقی اللہ لا اریذ بذلک الا
ما عند اللہ۔“

مجھ کو عام لوگوں کے متعلق کسی اظہار خیال کا حق نہیں اور نہ
مجھے معلوم ہے کہ ان کے دلوں میں کیا ہے اور نہ میں ان کی طرف سے
وکالت کر کے آپ کو فریب میں ڈالنا چاہتا ہوں لیکن میں وہ ظاہر
کہتا ہوں جس کو میں نے اپنے دل میں ٹھکان لیا ہے۔ خدا کی قسم جس
وقت بھی آپ دعوت دیں گے میں لبیک کہتا ہوا حاضر ہوں گا اور آپ
کے ہم راہ دشمنوں سے جنگ کروں گا اور آپ کے سامنے شمشیر زنی کروں گا
یہاں تک کہ اس زندگی کو ختم کر کے اپنے خدا سے ملاقات کروں اور میرا
مقصد اس سے سوا جزائے اخروی کے کچھ نہ ہوگا۔“

یہ تقریر ختم ہونا تھی کہ حبیب بن مظاہر کھڑے ہو گئے:
”مرحبا! جزاک اللہ! کتنی مختصر لفظوں میں تم نے اپنے ذاتی

خیالات کو دامن کر دیا۔

پھر حضرت مسلم کی طرف خطاب کر کے
 ”خدا کی قسم میرا بھی ذاتی خیال وہی ہے جو عباس بن ابی شیبہ
 نے اپنی لفظوں میں ادا کیا“

ایسی ہی لفظوں میں سعید بن عبداللہ غفنی نے تائید کی اور مجمع متفرق ہوا
 خط کے مضمون کی بنیاد پر اس کا رد و الی کا مقصد واضح ہے یعنی یہ عہد و پیمان
 اس امر کے متعلق نہ تھا کہ مسلم کوئی جا رہا نہ اقدام کرنا چاہتے ہیں اور اس میں یہ
 لوگ مسلم کی معاونت کریں گے اور نہ اس وقت یہ وہم و خیال کسی دل و دماغ میں
 گردش کر رہا تھا کہ چند ہی روز میں تن تنہا مسلم کے مقابلہ میں طرح کشی ہوگی اور
 اس لیے تمام جماعت کو تیار رہنا چاہیے، بلکہ یہ عہد و پیمان صرف امام حسینؑ کی
 تشریف دہی کی پیش نہاد اور اس موقع کے لیے ان لوگوں کے عزائم و نیتات
 کے اندازے کے لیے تھا۔

مسلم بن عقیل کے ورود کی خبر کوفہ میں عام طور پر مشہور ہو گئی اور اس فضا
 کے لحاظ سے جو اس تحریک یعنی امام حسینؑ کو دعوت کے متعلق ابتدا ہی سے کوفہ
 میں پیدا ہو گئی تھی اور جس کے اسباب و صاحت کے ساتھ درج کیے جا چکے
 ہیں ہر شخص نے اس خبر کا مسرت کے ساتھ استقبال کیا۔

بقول شخصے خلقت بھڑیا دھسان ہوتی ہے جدھر ایک چلاؤ دھرب،
 یزیدی خلافت سے بہ سبب اس کی سیاہ کاریوں کے بیزاری ایک طرف، حسینؑ
 بن علیؑ کی ہر دل عزیزی نہ مذہبی نقطہ نظر سے بلکہ اپنے اخلاق و کمالات کے لحاظ

سے دوسری جانب، وہ لوگ کہ جو مسلم بن عقیل کی تحریک کے مبلغ و داعی تھے اُن کی ذاتی وجہ استناد و تعلقات تیسری جانب اور ”کل جدید لذیذ“ کے طبعی قانون کے مطابق ہزارہ تحریک میں جو لذت یا جاذبیت ہوتی ہے وہ چوتھی جانب ان تمام باتوں کا مل کر یہ نتیجہ تھا کہ حضرت مسلم کے ہاتھ پر ایک ہفتے کے اندر اٹھارہ ہزار کو فیوں نے بیعت کی۔

لیکن کیا یہ شبہ تھے؟ کیا کوفہ میں زیادہ آک زیادہ کی میں سال حکومت کے بعد جس میں پہنچی ہوئی تلواریں اور جلا دوں کے ہاتھ برابر اپنی سفاکی میں مشغول رہے اور دست و پا، سر و زبان کے قطع و برید کا سلسلہ برابر جاری رہا، کوفہ میں میں ہزار کی تعداد میں شیعہ موجود ہو سکتے تھے؟

اور جب یہ نہیں تو کیا مذکورہ بالا سطحی حاضنی اسباب سے جو رائے عام ہو رہی ہو، اس میں کوئی وزن یا ثبات و استقرار ہو سکتا ہے؟

بے شک جب اس تحریک کے ابتدائی محرک اشخاص کو رائے عام کی نوعیت سمجھنے میں غلطی ہوئی، حالانکہ وہ میس کے رہنے والے پروردہ اور تجربہ یافتہ تھے تو مسلم بن عقیل کو کہ جنہیں اس شہر کے حالات کا تجربہ بھی حاصل نہ تھا صورت حال کی تشخیص میں دھوکا ہونا قابلِ تعجب نہیں ہے۔

مسلم کی تحریک کو چلانے والے، اُن کی صدا پر سب سے پہلے لبیک کہنے والے اور سب سے پہلے اجتماع میں جہاں بازی کا اقرار کرنے والے اور رائے عام کو ہموار کر کے مسلم کی نصرت و بیعت پر آمادہ کرنے والے بے شک شبہ تھے اور اُن کا کام یہی تھا کہ وہ رائے عام کو مسلم بن عقیل کے موافق بنادیں جن میں اُن کو خاطر خواہ کام یا جی

ہوئی، لیکن اُسندہ کے انقلابات کوئی دوسری صورت پیدا نہ کریں گے، اس کی ذمہ داری اُن پر عائد نہیں ہو سکتی۔ بے شک انہوں نے اپنے اقرار و دفاع اور عہد جاں بازی پر بہترین طریقہ سے عمل کیا اور جو کہا تھا اُسے کر دکھایا، جس کے مشاہدہ کے لیے مستقبل کا انتظار کرنا چاہیے۔

مسلم بن عقیل کو حالات اُمید افزان نظر آ رہی ہیں، امام حسینؑ کو خط بھی لکھ دیا کہ کہ کوفہ آپ کے ساتھ ہے، تشریف لائیے۔ مقامی حکومت کے طرز عمل کو دیکھتے ہوئے اُن کو اپنی نسبت بھی کوئی خطرہ محسوس نہیں ہو رہا ہے جس کی بنا پر وہ اپنی حفاظت کے لیے احتیاطی تدابیر عمل میں لائیں۔

کعبہ میں شیخبر گرم ہے کہ اب بہت جلد ہی حسین بن علیؑ تشریف لانے والے ہیں اور اس وجہ سے ہر طرف ایک خاص چل چل نظر آتی ہے اور حلقہ حلقہ، جماعت جماعت لوگ میٹھ کر اس مسئلہ پر اظہارِ خیالات کرتے ہیں اور بے چینی کے ساتھ دیدہ براہ ہیں لیکن یہ کسی کو معلوم نہیں کہ کوفہ کے اندر ایک جماعت موجود ہے جو ان تمام منصوبوں کو خاک میں ملا دینے پر آمادہ ہے اور وہ اموی حکومت کے خیر خواہ دوست اور وہ لوگ ہیں کہ جنہیں حسین بن علیؑ کی سلطنت کے بعد اموالِ خلق پر بیجا تصرفات کا حق باقی نہ رہے گا۔ ان ہی کی جانب سے مخفی کارروائی یہ ہوئی کہ زید سے حاکم حال کو تردید کر کے ایک مدبر اور سفاک حاکم کا مطالبہ کیا اور وہاں قرعہ فال عبید اللہ بن زیاد کے نام پر نکلا۔ عبید اللہ کوئی اونٹ نہیں وہ زیاد کا بیٹا اور مطہر کا ایک معنی سے چھٹیجا ہے اور یہ خاندان وہ ہے جس پر مکراری اور غداری کا خاتمہ تھا۔

چنانچہ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ابن زیاد نے اپنی نقل و حرکت کو بالکل صیغہ
راز میں رکھا تاکہ اُس کا ورود و کوفہ میں اچانک حثیت ہو اور پھر راستے میں جب
کہ کوفہ نزدیک رہ گیا اُس نے اپنی وضع میں تغیر پیدا کر کے ایک سیاہ عمامہ سر پر باندھا
اور چسپے پر اُسی طرح سے جو عرب قوم کے بہادروں میں سخت موقعوں پر مرسوم ہے
ایک ڈھانٹا باندھ لیا جس کی بنا پر شناخت ناممکن ہو گئی۔

ایک مرتبہ شہرِ نہاد کوفہ کے اندر یہ فتنہ نظر آیا کہ آگے آگے عربی گھوڑے پر
ایک رئیس قوم پیسے وقار و کثرت کے ساتھ سیاہ عمامہ سر پر باندھے جو اشراف
عرب کا امتیازی نشان تھا اور اُس کے پیچھے ایک شان دار قافلہ زین و بجام،
ساز و سامان سے آراستہ۔ اس چشم و خدم کو دیکھ کر اُن قوتِ مانت کی بنا جو قائم تھے
وہی ہونا چاہیے تھا جو ہو یعنی ہر شخص یہی سمجھا کہ حسین بن علی تشریف لائے
ہیں اور اُس قائم شدہ اثر کی بنا پر جو دلوں میں تھا۔ جس جماعت کی طرف سے
عبید اللہ کا گزر ہوتا تھا۔ وہ بہ نظر تعظیم کھڑے ہو کر آداب بجالاتی تھیں اور
خوش آمدید کے معنوں میں الفاظ زبان پر جاری ہوتے تھے کہ صاحبِ بیکیا
ابن رسول اللہ قدم ت خیر مقدم۔

ابن زیاد کسی کو کچھ جواب نہ دیتا تھا بلکہ آوازوں کو سنتا، چہروں کو بغور دیکھتا
شکل و شمائل کو پہچانتا چلا جا رہا تھا، یہاں تک کہ مجمع زیادہ ہو گیا اور لوگ
اشتیاق میں گھروں سے نکل آئے اور ہر شخص یہ خیال خود فرزندِ رسولؐ کی زیارت
کی تنہا میں آگے بڑھنے لگا اور فوجت پہنچی کہ راہ چلنے میں رکاوٹ پیدا ہوئی، اُس
وقت سلم بن عمرو باہلی نے جو ابن زیاد کے ساتھ تھا، پکار کر کہا:

”متاخر و اھذا الامیر عبید اللہ بن زیاد“

”راستہ بھوڑ دو! حین نہیں، امیر عبید اللہ بن زیاد ہیں۔“

نہ معلوم ان الفاظ میں کون سا اثر تھا کہ بڑھتے ہوئے قدم اور اٹھتے ہوئے ہاتھ اور مسرت آمیز ترانے سب موقوف ہو گئے اور سناٹا سا چھا گیا۔ مجمع بھی تتر بتر ہوا اور جس وقت ابن زیاد دارالامارہ میں پہنچا ہے تو دس آدمیوں سے زیادہ اُس کے ساتھ نہ تھے۔ (طبری جلد ۶ ص ۲۰۰ و ۲۰۱)

اب زرافطری رنجانات پر غور کرتے ہوئے اہل کوفہ کے موجودہ باطنی اضطرابات کا اندازہ کیجئے۔ ایک تو اچانک حادثہ جو غیر متوقع صورت سے ظہور پذیر ہوا وہ خود سنسنی پیدا کر دیا کرتا ہے، اُس پر یہ صورت حال کہ آنکھوں نے اپنے ہاتھوں اپنے خلاف جاسوسی کے کام کو انجام دیا یعنی اپنے باطنی خیالات و جذبات اور حسین بن علیؑ کے ساتھ خلوص و عقیدت کو خود ابن زیاد کے سامنے بہ وقت درود پیش کر دیا اور ابن زیاد نے صاف ایک ایک کے چہرے اور آواز کو پہچان رکھا ہے اور ابن زیاد وہ کہ جس کی اور جس کے باپ کی تلوار کے نیچے بیڑ بریں تک اس تمام خلقت کی گردنیں اس طرح خم رہی ہیں کہ جس کو چاہا گرفتار کیا سولی پر لٹکا دیا یا جلاد کے ہاتھ سے اس کی رگ گردن کو قطع کر دیا، اور ایسے ہیبت ناک مناظر ان ہی ہاتھوں سے آنکھوں کے سامنے اچکے ہیں جن کو سوچ کر اب تک رونگٹے کھڑے ہو جاتے اور دل ہل جاتے ہوں گے اور اب وہی صورتیں اپنے اور اپنی اولاد اور اعوا و اقارب کے لیے پیش نظر ہیں کیا یہ وجہ ایسے نہ تھے جن کی بنا پر دل و دماغ معطل، تو لے عمل سلب، طاقتیں مضاعف اور ہمیں پست ہو جاتیں اور دلوں پر عظیم خوف و ہراس کا غلبہ ہو جاتا۔

عربستان میں اب تک یہ طریقہ موجود ہے اور مجھ کو نہیں معلوم کہ کسے ہمارے ملک میں بھی اس کی نظیر پائی جاتی ہے یا نہیں کہ بڑے شہروں میں ہر محلہ کا ایک مختار محلہ ہوتا ہے جو اس محلہ کی مردم شماری، دار و صادر، زائیدہ اور مردہ، شادی شدہ وغیرہ شادی شدہ وغیرہ امور کے تشریحات کا مقامی حکومت کی طرف سے ذمہ دار ہوتا ہے اور اگر کوئی شخص اس محلہ سے کسی جرم کا مرتکب ہو یا کہیں مفرد ہو تو اس کی جواب دہی و سرنگ رسانی کی ذمہ داری بھی اسی سے تعلق رکھتی ہے۔

ابن زیاد نے مسجد جامع میں ایک تہذیبی تقریر کے بعد سب سے پہلا جو کام کیا وہ یہ کہ تمام محلات کو ذمہ دار اشخاص کو جن سے عرفیت یعنی مختاری محلہ کا منصب تعلق رکھتا تھا بلا کر یہ فرمان جاری کیا کہ جلد سے جلد ہر محلہ کی مردم شماری اور جو لوگ نو وارد ہیں ان کی فہرست اور جن لوگوں سے حکومت شام کو خطرہ ہے ان کے نام ادارہ حکومت محلہ میں پیش کر دیے جائیں اور اگر وہ کسی وجہ سے ان ناموں کے تفصیل وار لکھنے سے معذور ہوں تو ضمانت داخل کریں کہ ان کے محلہ میں سے کوئی متنفذ بھی حاکم شام کی مخالفت پر آمادہ نہ ہوگا اور اس کے خلاف ظاہر ہوا تو اس مختار محلہ کو خود اس کے گھر کے دروازے پر سولی دی جائے گی اور اس کے خاندان سے ہمیشہ کے لیے اس منصب کو علیحدہ کر لیا جائے گا (طبری صفحہ ۲۰۱)

یہ مضبوط تدبیر ایسی نہ تھی جس کی کامیابی مشتبہ ہو، کو فہ کا چپہ چپہ جو ایسے مخبرین کی کثرت سے غیر محفوظ نظر آنے لگا اور مارشل لا کے ایسے سخت قانون میں وہ بھی طاقت نہیں جو اس صورت سے پیدا ہوئی اس لیے کہ اب ہر شخص خاص اپنے محلہ میں ایک گھر سے دوسرے گھر جاتے دڑتا، جھپکتا اور اپنی جان کے خطرہ کا احساس کرتا

تھا اور اس طرح دس آدمیوں، پانچ آدمیوں کا بھی ایک جگہ جمع ہو کر کسی امر پر گفتگو کرنا اور کوئی قرار داد طے کرنا ناممکن ہو گیا۔

اس صورت حال کے بعد کوفہ میں راسے عام کا منقلب ہو جانا کوئی عجیب امر نہ تھا جب کہ اس اٹھارہ ہزار کی جمعیت میں جنہوں نے بیعت کی تھی سب کے اندر کوئی مذہبی روح بھی کارفرما نہ تھی جو ان کو سخت موقع کے لیے اپنی جان کو خطرات میں ڈالنے پر استغناء سے آمادہ رکھتی، بلکہ اُس جم غفیر کے اتفاق و اجتماع کی نوعیت وہی تھی جس کے اسباب کو کچھ ہی پہلے یہی ناظرین کیا جا چکا ہے۔

یہ پہلا وقت تھا کہ مسلم بن عقیل کو اپنی جان کے خطرے کا اندازہ اور مقصد کی پامالی کا احساس ہوا، اب ان کا صرف ایک فرض رہ گیا تھا کہ وہ حفاظت خود اختیاری کے صوبوں پر جہاں تک مقدور ہو اپنے تحفظ کے لیے احتیاطی تدابیر عمل میں لائیں۔ اس کے لیے انھیں مختار بن ابوعبیدہ کا مکان جس میں وہ اب تک مقیم تھے غیر محفوظ نظر آیا، اس لیے کہ ان کا قیام وہاں مشہور ہو چکا تھا، اور پھر اگر کوئی وقت آئے تو وہاں ان کی حمایت کرنے والا بھی کوئی نہ تھا۔ مختار بن ابوعبیدہ شریف قوم ہسی لیکن عہد ایک میں دار کی حیثیت رکھتے تھے کسی بڑے قبیلہ کے سردار نہ تھے اور پھر وہ خود آنے والے واقعات نے بے خبری کی حالت میں چند روز سے اپنے موضع پر گئے ہوئے تھے۔ (طبری جلد ۲، صفحہ ۵۸)

لہذا مسلم نے اپنے لیے اس سے بہتر کوئی صورت نہ دیکھی کہ وہ غیر ملامت طریقہ پر ہامانی بن عردہ کے گھر میں منتقل ہو جائیں اور ہامانی کی تائید حاصل کر لینا مسلم کے لیے کوئی معمولی امر نہ تھا اس لیے کہ قبیلہ مراد و مذحج کے سردار تھے اور جب نکلتے

تھے تو بارہ ہزار آدمی پیش سوار ہم راہ رکاب چلتے نظر آتے تھے۔
مسلم نے ہانی کے گھر میں پناہ لے کر ظاہری اسباب کی بنا پر اپنے کو بارہ ہزار مشیرین
بہادروں کے احاطہ میں ڈال دیا ہے کہ جو ان کے حفظ جان و آبرو کی بہتر ضمانت
ہو سکتی ہے۔

ہانی نے مسلم کو مخفی طور پر اپنے یہاں رکھا اور سوا مخصوص افراد کے جو محل
اعتماد تھے کسی کو اس راز کی اطلاع نہ تھی۔ افراد شیعہ کو جو اس تحریک کے ہانی
تھے اپنی ناکام یابی کا بھیا ناک نظر سامنے نظر آگیا تھا لیکن وہ مستقل مزاجی
کے ساتھ ایسے تدابیر میں مصروف تھے جن سے صورت حال کی اصلاح ہو سکے۔
چنانچہ مسلم بن عوسجہ اسدی حضرت مسلم کے معتمد خاص اور وکیل عام تھے کہ وہ آپ کی
جانب سے مخفی طور پر لوگوں کی ہم دردی حاصل کریں اور ان سے امام حسینؑ کی بیعت لیں
ابو ثامہ صائدی امانت دار یا خزائنچی کی حیثیت رکھتے تھے کہ جو کچھ اسوال جمع ہوں
ان کو اپنی تحویل میں رکھ کر اپنی صوابدید سے سلاح جنگ خرید کریں۔

معقل نے جو ابن زیاد کا غلام تھا ایک شیطانی مکر و تدبیر کے ساتھ اظہار
تشیع کر کے مسلم بن عوسجہ سے حضرت مسلم کی جائے قیام کا پتہ لگایا اور ابن زیاد کے
پاس سراغ رسانی کی جس کی بنا پر ابن زیاد نے ہانی بن عردہ کے پاس ملاقات کا
پیغام بھیجا۔

ہانی کو ان تحفظات پر جو انھوں نے مسلم بن عقیل کے انخفا میں کر لیے تھے
کامل اعتماد تھا اور اسی کا نتیجہ تھا کہ ابن زیاد کے دعوتی پیغام پر ان کے دل میں
کسی قسم کا خطرہ نہ گزرا اور نہ انھوں نے اس موقع پر اپنے بارہ ہزار جوانوں میں سے

کسی ایک کو بھی واقعہ سے اطلاع دینے کی ضرورت محسوس کی بلکہ خود تنہا ابن زیاد کے پاس چلے گئے۔ راز منکشف تھا اور واقعہ سے انکار بے سود اور اقوال کے بعد اپنے مہمان کو حوالے کر دینے سے انکار مشغول کن، آخر بوڑھے لیکن بات کے پتے ہانی کا سر و چہرہ خون میں رنگین نظر آیا اور ابن زیاد کے حکم سے وہ قید خانہ بھیج دیے گئے۔

سوار بنی زبیدہ عمرو بن الحجاج ہانی بن عروہ کا برادر نسبتی تھا اُسے اطلاع ہوئی کہ ہانی قتل کر ڈالے گئے تو وہ اندھج کے بہت سے زرہ پوش سوار لے کر دارالائے پر چڑھ دوڑا اور تلواروں کی بھنکار اور گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز نے ہانی کے دل میں رہائی کے توقعات پیدا کر دیے۔

لیکن افسوس کہ شریح قاضی کی فمائش اور اس کہنے سے کہ ہانی قتل نہیں ہوئے ہیں بلکہ بعض مصاحح سے ایک محدود زمانہ تک نظر بند کر دیے گئے ہیں وہ سب مطمئن ہو کر واپس گئے۔

حضرت مسلم کے لیے یہ موقع بہت سخت تھا۔ اُن کا پناہ دینے والا وفادار اور مستقل مزاج بہادر ہانی بن عروہ اُن کی وجہ سے زد و کوب کی توہین آمیز تکلیف برداشت کر کے دشمن کے قید خانہ میں سے اسلام کے گرد گھر میں خاندان مراد کی عورتیں "یا عثرتاہ یا عثرتاہ" کہہ کر نالہ و شہن کر رہی ہیں۔

کیا اب بھی مسلم بن عقیل چھپے ہوئے بیٹھے رہتے یا اس خوف کے یہاں میرا قیام معلوم ہو گیا ہے کسی دوسرے قابل اعتماد شخص کے یہاں جا کر مخفی ہو جاتے؟ لاواللہ! غیرت بنی ہاشم کا یہ تقاضا نہ تھا، انہوں نے یہ طے کر لیا کہ ہانی نہیں

تذہب میں بھی نہیں۔

طبری نے صاف طور پر تصریح کی ہے کہ

”لہذا یکن خروجہ یوم خرج علی مبعاد من اصحابہ
انما خرج حین قیل لہ ان ہانی بن عروۃ المہادی قد
ضرب وحبس۔“

مسلم کا جنگ کے لیے نکلنا اپنے ساتھیوں کی اطلاع کے بغیر تھا
اور کوئی قرار داد اس دن کے متعلق نہ ہوئی تھی۔ وہ ایک مرتبہ اس وقت
بکھڑے ہو گئے جب ان کو معلوم ہوا کہ ہانی بن عروہ مرادی اردو کو بکے
بعد قید کیے گئے ہیں۔ (طبری جلد ۷ صفحہ ۵۸)

واقعہ کی ناگہانی حیثیت کو دیکھتے ہوئے اب یہ توقع تو کی ہی نہیں
جاسکتی کہ وہ اٹھارہ ہزار بیعت کرنے والے سب ایک دم میں مسلم کے گرد جمع ہو جاتے
اور جنگ میں ان کے ساتھ شرکت کرتے اور پھر جب کہ کوفے کے محلے بھی ایک دوسرے
کے متصل نہیں بلکہ کافی فاصلہ رکھتے تھے۔ ہاں یہ محملہ کہ جس میں مسلم کا قیام تھا کافی
وسعت رکھتا تھا۔ اور اسی کے اطراف میں مسلم کے گرد اگر دو چار ہزار آدمی موجود تھے
اور مسلم کی طرف سے جوں ہی ”یا منصور اامت“ کا نعرہ بلند کیا گیا جو پہلے
سے قرار داد کے مطابق ان کا شعار یعنی امتیازی نعرہ جنگ تھا تو اس وقت
شہر آشوری وہ چار ہزار آدمی مسلم کے پاس جمع ہو گئے لیکن اس محدود وقت میں جب
کہ جنگ کے پہلے سے کچھ آثار نہ تھے وہ شاہی منظم فوج سے کہاں تک مقابلہ کے
لیے تیار کی کر سکے ہوں گے اس کا فیصلہ ناظرین کی رائے پر ہے۔

اسی کا نتیجہ تھا کہ ابھی مسلم قصر دارالامارہ تک پہنچنے نہ پائے تھے کہ وہ لوگ واپس جانا شروع ہو گئے اور پہنچتے پہنچتے صرف تین سو رہ گئے۔ لیکن ابن زیاد اس خیال سے کہ مسلم کے ساتھ کوئی بڑی جمیعت ہے قصر کے اندر قلعہ بند ہو گیا اور مسلم نے بنی مراد کی ایک جماعت کو لیے ہوئے قصر کا محاصرہ کر لیا۔ رفتہ رفتہ دوسرے لوگ بھی آتے گئے یہاں تک کہ مسلم کے پاس کافی اجتماع ہو گیا اور ظہر سے شام تک برابر زرد و خورد ہوتی رہی۔

موجودہ جمیعت کہ جو مسلم کے ساتھ محاصرہ میں شریک ہے درحقیقت مختلف قبائل کے مخلوط مجموعہ کا نام ہے اور قبائل کی روح شیوخ و اشراف قبائل ہیں جو ہمارے سابقہ بیانات کے مطابق حکومت کے ہوا خواہ اور پابند فرمان ہیں اور ابن زیاد نے بد وقت پیش بندی یہ کی ہے کہ آج صبح سے شیوخ و اشراف کو بلا کر اپنے پاس زیر حراست رکھ لیا ہے کہ ان سے حسب موقع کام نکالا جاسکے۔

اب ابن زیاد نے پہلی تدبیر تو یہ کی کہ شہر کی ناکہ بندی کرادی یعنی چوراہوں اور عام راستوں پر پہرے بٹھلا دیے کہ کوئی مسلم کی مدد کو نہ آسکے اور صورت واقعہ کی بنا پر یہ امر لازمی تھا کہ مسلم کی مدد کو آنے والے مجتمع حیثیت سے کسی لشکر کے ساتھ نہ آتے بلکہ اکاد کا جس کو خبر ہوتی جاتی وہ تنہا یا اپنے بھائی بندوں کی میعت میں مسلم کے ساتھ شرکت کے لیے آتا اور وہ فوراً گرفتار ہو جاتا تھا۔ چنانچہ عبدالاعلیٰ بن زید کلبی اپنے گھرانے کے کچھ نوجوانوں کو ساتھ لے ہوئے اور ہے تھے جن کو کثیر بن شہاب نے گرفتار کیا اور محلہ بنی عامرہ کی طرف

سے عہادہ بن صلح ازوی نے ہتھیار جسم پر آراستہ کر کے چاہا تھا کہ مسلم کے پاس کی میں
لیکن محمد بن اشعث نے گرفتار کر لیا۔ یہ دونوں جاں باز مسلم وہابی کی شہادت
کے بعد سپرنیاو کے حکم سے قتل کر ڈالے گئے۔ (طبری جلد ۶ ص ۶۰۶)

اس طرح مسلم کے مختلف اطراف و جوانب کی مدد قطع ہو گئی۔ دوسری
جانب اشراٹ و قبائل مامور ہوئے کہ وہ سطح دار الامارہ پر جا کر اپنے اپنے قبیلہ
کے لوگوں کو بچار کر حکومت شام کی جانب سے تحریف و تہدید کریں اور مسلم کی
شرکت سے علیحدہ ہونے پر مامور کریں۔ چنانچہ ان لوگوں نے بہرہ و دانہ ہجہ
میں قیس کھا کھا کر اپنے اپنے قبیلہ والوں کو یقین دلایا کہ عن فریب مرکزی
حکومت شام کی جانب سے عظیم الشان فوجیں آنے والی ہیں جس کے بعد تمہارا
جان و مال و اولاد سب تلف ہو جائے گا۔

دشمن سے فوجیں آنے کی خبر ایسی نہ تھی جو اضطراب پیدا نہ کرے۔ اس
خبر سے ایک عام دہشت پیدا ہو گئی۔ حالت یہ تھی کہ

”ان العوۃ کانت تاقۃ ابنہا و اخاھا فتقول

انصرف الناس یکفونک و یجئ الرجل الی ابنہ و

اخیر فیقول غدا یتیک اهل الشام فما تصنع

بالحرب و التثرا نصرف فیذهب بہ۔“

عورتیں اپنے باپ بھائی کے پاس آتی اور کہتی تھیں کہ چلو

واپس چلو! دوسرے لوگ کافی ہیں اور باپ یا بھائی اپنے

بیٹے بھائی کے پاس آکر کہتا تھا کہ کل دشمن سے لشکر آجائے گا

پھر تو کیا کہے گا، چل بڑائی سے کنارہ کشی کر کے اور مجبور کر کے ہے
 اپنے ساتھ واپس لے جاتا تھا۔ (طبری ص ۲۰۴)
 نتیجہ یہ ہے کہ مسلم تنہا رہ گئے اور آخر ایک خوں ریز صفت آرائی کے بعد درجہ
 شہادت پر فائز ہوئے۔

اب شہر میں خوف و دہشت کی کامل عمل داری اور رعب و ہیبت کا
 پورا دور دورہ تھا۔ لوگ گھروں سے نکلنا خطرناک سمجھتے تھے اور اس لیے
 چاروں طرف سناٹا اور ہوکا عالم تھا، اور ایک کو ایک کی خبر نہ تھی۔
 انتہا ہے کہ وہی ہانی بن عروہ جن کے ہم راہ رکاب بارہ ہزار مسلح سوار ہوتے
 تھے اور جن کے نقل کی غلط خبر سننے پر دلا الامارہ کھینچی ہوئی تلواروں کے حلقے میں
 آگیا تھا آج مشکیں کسے ہوئے بازار میں لائے جا رہے ہیں اور وہ پکار رہے ہیں کہ
 ”وامذحجہ دلامذحجہ لی الیوم و امذحجہ
 داین منی مذحجہ“

کہاں ہیں میرے قبیلہ والے بہادر بنی مذحج! ہائے افسوس
 آج میرے بے مذحج نظر نہیں آتے۔
 لیکن کوئی ایک قنفس بھی ان کی طرف گنج کرتے دکھائی نہیں دیتا، یہاں تک کہ
 ابن زیاد کا غلام ترکی اپنی تلوار سے ان کے سردار میں جدائی کر دیتا ہے۔
 یہی عبرت خیز مناظر وہ ہیں جو دنیا کی ہر حقیقت کو مجاز اور واقعیت کو
 اعتبار قرار دینے کا تخیل پیدا کر دیتے ہیں اور جاہ و ثروت یا قوم و قبیلہ کی کثرت
 پر اعتماد کو غلط سمجھنے پر مجبور کرتے ہیں۔

شیعیان اہلبیت اور حسین بن علیؑ کے ہم دور جو مٹھی بھر سے زیادہ نہ تھے اس وقت عجب عالم میں تھے۔ ان کو چھپنے کے لیے گوشوں کی تلاش تھی جن کا ملنا بھی دشوار ہو رہا تھا۔ ابن زیاد کو معلوم تھا کہ عن قریب حسین بن علیؑ تشریف لانے والے ہیں اور اگرچہ ہمیں پست ہو چکی ہیں لیکن ان کے آنے سے کہیں پھر انقلاب پیدا نہ ہو جائے لہذا اس نے تلاش کر کے جن جن اشخاص سے اندیشہ ہو سکتا تھا انھیں قید کرنا شروع کیا۔ چنانچہ مختار بن ابوعبید ثقفی جو مسلم کے خدج کے موقع پر کوفہ میں موجود نہ تھے اور اسی دن اطلاع پا کر آئے لیکن ایسے وقت پہنچے کہ مسلم کی جنگ ختم ہو چکی تھی اور عمر بن حرث نے رایت امان بلند کیا تھا کہ جو شخص اس کے نیچے چلا آئے اس کا جان و مال محفوظ ہے لیکن مختار کو امان نہ مل سکی اور وہ پاب زنجیر کر دیے گئے اور اسی طرح عبداللہ بن حارث بن نوفل اور دیگر اشخاص۔

ادھر حاکم علیٰ یزید نے بھی مسلم بن عقیل کے قتل کی خبر معلوم ہونے کے بعد ابن زیاد کو حسین بن علیؑ کے قصد عراق پر مخصوص طور سے توجہ دلاتے ہوئے لکھا:

”انہ قد بلغنی ان الحسین بن علی قد قوجہ نحو العراق
فضم المناظر والمسالح واحتس علی الظن وخذ علی
التہمت“

مجھ کو خبر معلوم ہوئی ہے کہ حسین بن علیؑ عراق کی طرف متوجہ ہو چکے ہیں اب تم ہوشیاری کے ساتھ جاسوس مقرر کرو اور سنگربناؤ اور دم و گمان بھی خطرہ کا ہو تو اس سے تحفظ کرو اور بدگمانی جس پر ہو اسے فوراً گرفتار کر لو۔ (طبری جلد ۶ ص ۲۱۵)

اب کیا تھا، قید و بند کا سلسلہ جاری ہو گیا اور جیل خانے قیدوں سے
 پھلکنے لگے۔ اس میاست کی نوعیت کا اندازہ ابن زیاد کی اس تقریر میں جو یزید
 کی ہلاکت کے موقع پر اس نے کی ہے اس فقرہ سے ہوتا ہے:
 "وما تریکت لکم ذلظنة اخافنا علیکم الا وهو
 فی سجنکم"

کوئی ایسا شخص نہیں جس پر گمان بھی ہو سکتا تھا کہ وہ چھوٹ
 کی مخالفت کرے گا مگر یہ کہ وہ قید خانہ کے اندر ہے۔ (طبرستان جلد ۱۸)

نیز اس گفتگو سے جو اس موقع پر جب کہ وہ بعد ہلاکت یزید بصرہ سے فرار
 ہو کر دمشق جا رہا تھا راستے میں یساف بن شریح شکاری سے کی ہے جس میں
 اس نے کہا:

"کنت اقول لیتنی کنت اخرجت اهل

السجن فضویت اعناقهم"

میں ابھی اپنے دل میں کہہ رہا تھا کہ کاش میں نے ان لوگوں
 کو جو قید خانہ میں بند تھے نکال کر گردن زدنی کا حکم دے دیا ہوتا
 (اس لیے کہ وہی لوگ بعد میں انقلاب کا سبب بنے) جلد ۱۸ صفحہ ۲

اس صورت سے حکومت کی طرف سے شہر کے داخلی حالات پر پورا قابو حاصل کر لیا
 گیا جس کے بعد کسی متنفس میں اتنی طاقت نہ رہی کہ وہ مخالفت کا نام بھی زبان
 پر لائے۔ اب اس کی توجہ خابج کی طرف پھری کہ کہیں بصرہ اور مدائن اور

دیگر اطراف کے لوگ کہ جہاں شیعہ کافی تعداد میں ہیں اگر کوئی دراندازی نہ کریں، نیز حسین بن علیؑ کہ جن کا اہماق قریبی زمانہ میں یقینی ہے ان کے ساتھ کسی ساز باز کے لیے کوئی جماعت باہر نہ رہ جائے۔

اس کے لیے حدود کی ناکہ بندی ہوئی اور قادسیہ میں جو حجاز و عراق و شام کے خطوط سیر کا محل اجتماع تھا کئی ہزار سواروں کے ساتھ حصین بن تمیم کو مقرر کیا گیا جو اب تک کو توالی شہر کی حیثیت رکھتا تھا اور واقعہ سے لے کر قطقطانہ، لعل و خفان اور اطراف و جوارب میں جو شام اور بصرہ کے راستے تھے ان سب میں لشکر پھیلا دیا گیا یہاں تک کہ نہ کوئی شخص آسکتا تھا اور نہ باہر جاسکتا تھا۔ چنانچہ قیس بن مسهر صیداوی اور عبداللہ بن یقطر جو امام حسینؑ کے فرزندہ اہل کوفہ کے نام خط لے جا رہے تھے وہ اسی قادسیہ میں پہنچ کر حصین کے ہاتھوں گرفتار ہوئے اور خود حضرت سید الشہداء جب ان حدود میں پہنچے اور صحرائی عربوں سے حالات کو دریافت کیا تو انھوں نے کہا:

”لا والله ما خدري غيرا فالا نستطيع ان نلج

ولا نخرج“

”خدا کی قسم ہمیں کچھ نہیں معلوم لیکن اتنا ہے کہ ہم نہ اندر جا

سکتے ہیں اور نہ باہر نکل سکتے ہیں“

حربین زید ریاحی جو ایک ہزار لشکر سے امام حسینؑ کا سدہا ہوا تھا وہ بھی اسی فوج میں سے تھا کہ جو قادسیہ میں حصین کی سرکردگی میں مقرر تھے۔ یہ سب اسی لیے

تھا کہ کوئی امام حسینؑ کی مدد کے لیے کوفہ سے نہ آ سکے، یہاں تک کہ طراح بن
عدی اپنے تین ساتھیوں کے ساتھ جب کوفہ سے غیر معروف راستے سے آ کر امام
حسینؑ کے ساتھ ملحق ہوئے ہیں اُس وقت حزن آ کر حضرت سے کہا کہ
”یہ لوگ جو اہل کوفہ سے ہیں آپ کے ساتھ مکہ سے نہیں آئے
ہیں لہذا میں ان کو گرفتار کرنا ہوں یا کوفہ واپس جانے پر مجبور“
لیکن حضرت کے اس فرمانے پر کہ

”اب جب کہ پیسے پر پاس پہنچ گئے ہیں تو میرے ہی اصحاب
انصار میں داخل ہیں اور اب ان کی حفاظت مجھ پر فرض ہے لہذا
نا ممکن ہے کہ میں ان کو تھما لیتے سپرد کر دوں“

اُس کو ساکت ہونا پڑا۔ (طبری جلد ۶ صفحہ ۲۳)

اس موقع پر جب کہ امام حسینؑ کو بلا میں پہنچ چکے تھے خود ابن زیاد نے
کوفہ سے نکل کر نخیلہ میں اپنا مرکز قرار دے لیا تھا اور وہیں افواج کا معائنہ ہوتا
تھا اور انھیں ترتیب دے کر کر بلا روانہ کیا جاتا تھا۔ (تصدیق کے لیے دیکھیے
طبری جلد ۷ ص ۴۷)

وہ لوگ جو ابن زیاد کی طرف سے روانہ کیے جاتے تھے ان میں سے بعض امام
حسینؑ سے جنگ کو ناپسند کرتے ہوئے شکر سے نکل کر کوفہ واپس جاتے تھے اس کے
لیے ابن زیاد نے سوید بن عبدالرحمن منقری کو کچھ سواروں کے ساتھ کوفہ روانہ کیا
کہ جو ایسا شخص وہاں ملے اُس کو گرفتار کر کے روانہ کیا جائے سوید نے ایک شخص
کو اہل شام میں سے جو کوفہ اپنے ذاتی معاملہ کے لیے آیا تھا گرفتار کر کے ابن زیاد

کے پاس بھیجا اور اُس نے مہیت قائم کرنے کے لیے اُس کو قتل کرا دیا جس کے بعد وہ تمام لوگ جو ٹھہر گئے، تھے بھل کر کر بلا روانہ ہو گئے۔ (الانخبار الطوال ص ۲۵۲)

ان اہتمامات سے صریح طور پر چند نتیجے مرتب ہوتے ہیں :

(۱) کوفہ کی جماعت شیعہ میں جو حسینؑ کی ہم درد ہو سکتی تھی اور جن کو نصرت کا خیال ہو سکتا تھا ایک کثیر تعداد پابہ زنجیر کر لی گئی تھی۔ اور اس طرح نہ معلوم کتنے ہامیت اہل پر جگر اشخاص ہوں گے جو اگر باہر ہوتے تو اپنی جان حسینؑ پر نشانہ کرتے لیکن اس موقع پر وہ تاریک و تاریک زنداں میں مقید تھے۔

(۲) حدود کی ناکہ بندی اور راستوں کے انسداد نے کوفہ کے بہت سے اشخاص کے لیے جن میں جذبہ نصرت حسینؑ ہو سکتا تھا حضرت تاک پہنچے کو دشوار سے و شواہد بنا دیا تھا اگر وہ آنے کا قصد کرتے بھی تو یقیناً نخلہ میں جو بالکل کوفہ کے محاذ پر کر بلا کے راستے میں تھا اگر قنار کر لیے جاتے یا آگے بڑھ کر قادیہ اور خفانہ قطع طائرہ و لعل کی منزل پر وہ دست گیر ہو جاتے۔

(۳) ابن زیاد کی طرف سے یہ اہتمام تھا کہ کوئی جنگ آزما شخص کوفہ میں ایسا باقی نہ رہ جائے جو حسینؑ کی جنگ کے لیے نہ نکلے اور اس طرح ان افراد کے لیے جو حسینؑ کے مقابلہ سے نفرت کرتے تھے اس جرم سے حفاظت بھی تلف جان مال کی ضمانت بن گئی تھی۔

لیکن باوجود ان دشواریوں کے، ان ہمت شکن مشکلات کے، ان طاقت بآں مصائب کے ہم دیکھتے ہیں کہ وہ افراد شیعہ جو حسینی دعوت کے بانی و مبلغ اور اس ایک کے داعی و مروج تھے، جنہوں نے وفاداری کا قرار اور جہاں بازی کا عہد کیا تھا

کسی نہ کسی طرح حسین بن علی تک پہنچ گئے، اور اپنی جانیں ان کے قدموں پر نثار کیں۔

یاد کیجیے وہ وقت کہ جب مسلم بن عقیل نے امام حسین کا خط پڑھ کر سنایا تھا تو کون لوگ تھے اس وقت تقریر کر کے عہد نصرت و فداکاری کرنے والے؟ بے شک وہ عین آدمی تھے، عابس بن ابی شیبہ شاکری۔ جیب بن مظاہر اور سعید بن عبداللہ حنفی۔

کون تھا مسلم بن عقیل کا وکیل و نائب اور رازداری کے ساتھ حسین کی بیعت لینے والا؟ یقیناً وہ مسلم بن عروجہ اسدی تھے۔ کون تھا مسلم کے ادارہ الحکمہ کا منتظم اور جمع اموال کا مومن و معتمد؟ بلاشبہ وہ ابو شامہ صامدی تھے۔

پھر کیا یہ وہ لوگ نہیں ہیں جنہوں نے ثبات قدم و استقلال کے ساتھ آخر نفس تک حسین کا ساتھ نہیں چھوڑا اور آخر ان کی لاشیں حسین کے قدموں پر خاک و خون میں تڑپتی ہوئی نظر آئیں۔

ان کے علاوہ بھی حسینی جماعت میں زیادہ تر کوفہ کے شیعہ تھے جیسے بریر بن خضیر حافظ قرآن مجید جن کو دیکھ کر لشکر عمر سعد میں کہا گیا تھا:

”ان هذا بریر بن خضیر القادری الذی کان یقرینا

القرآن فی المسجد“

یہ تو وہی بریر بن خضیر ہیں جو ہم کو مسجد میں بیٹھ کر قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ (طبری جلد ۶ ص ۲۳۷)

اور انس بن حارث اسدی صحابی رسول جن کا تذکرہ ابن اثیر حوزری
نے اسد الغابہ میں اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے اصابہ میں کیا ہے، ایسا اثر
کا قول ہے کہ

”علا دہ فی الکوفیین وکان جاء الی الحسنین
عند نزولہ فی کربلاء التقی معہ لیلۃ فیمین ادرکتہ
السعادة“

ان کا شمار اہل کوفہ میں ہے اور یہ امام حسینؑ کی خدمت میں
پہنچے تھے اُس وقت جب آپؐ کو بلا میں اتر چکے تھے اور شب
کے وقت حضرت کے پاس پہنچے اُن لوگوں کے ذیل میں جن کے
بخت نہریاوری کی تھی۔

اور نافع بن ہلال جلی جو کوفہ کے قبیلہ مذحج سے تھے اور خطیب بن اسد شہابی
اور نیرید بن زیاد بن ہماصر ابو الشعثاء کندی، جمع بن عبداللہ عائدی، عائد
بن جحج، عمر بن خالد صیداوی، بنادہ بن حارث سلمانی، سوید بن عمرو بن
ابی المطاع خثعمی، موقع بن شامہ اسدی صیداوی، سیف بن حارث بن سیرج
ہمدانی، مالک بن عبداللہ بن سیرج، سوار بن نعم ہمدانی، عمر بن قریظہ انصاری،
فیہم بن عجلان انصاری، عبداللہ بن بشر خثعمی، حارث بن امراء نقیس کندی،
بشر بن عمر کندی، عبداللہ بن عروہ و عبدالرحمن بن عروہ غفاری، عبداللہ
بن حمیر کلبی، سالم بن عئیر کلبی، سلم بن کثیر ازدی، رافع بن عبداللہ ازدی،
قاسم بن حبیب ازدی، زہیر بن سلم ازدی، نعمان بن عمرو، حلاس بن عمرو ازہری

مسعود بن حجاج تميمی، بکر بن حی تميمی، جوین بن مالک تميمی، عمر بن ضبیہ تميمی، حباب بن عامر تميمی، اُمیہ بن سعد طائی، ضرغام بن مالک ثعلبی، کنانہ بن عقیق ثعلبی، قاسط بن زہیر، کردوس بن زہیر، مقسط بن زہیر، یزید بن اورخبلہ بن عسلی شیبانی وغیرہ۔

یہ تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جان پر کھیل کر عہد وفا کو پورا کرنے کے لیے اپنے کو کسی نہ کسی طرح حسینؑ کے قدموں تک پہنچا دیا لیکن جو لوگ شیعہ عجمت میں سے حسینؑ بن علیؑ کی نصرت کے لیے نہ پہنچے یا نہ پہنچ سکے ان میں سے بھی کسی تنفس کا حسینؑ کے مقابلہ میں کر بلایا میں موجود ہونا یا انہیں جاتا، بلکہ تاریخی نصوص و شواہد متفقہ طور پر ان کو قاتلان امام حسینؑ سے علیحدہ بنا رہے ہیں۔ حافظ محمد بن جریر طبری کا بیان ہے:

”لما قتل الحسين بن علي ورجع ابن زياد من معسكره بالخميلة فدخل الكوفة تلاقت الشيعة بالتلاوم والتدمر وراى انهما قد اخطأت خطأ كبيرا بدعايهم الحسين الى النصرة وتوكلهم اجابته وقتله الى جانبيهم لم ينصروه وراوا انه لا يغسل عادهم والا ثم عنهم في مقتله الا بقتل من قتله او القتل فيه۔“

جب حسین بن علی قتل ہو گئے اور ابن زیاد اپنے لشکر گاہ سے جو خیلہ میں قرار دیا گیا تھا، واپس جا کر کوفہ میں داخل ہوا تو

شیعوں نے ایک دوسرے سے ملاقات کر کے ایک دوسرے پر
 ملامت اور اپنی کم زوری پر ندامت کا اظہار شروع کیا اور
 وہ سمجھے کہ ہم سے بڑا جرم ہوا کہ ہم نے حسینؑ کو نصرت کے وعدہ
 پر دعوت دی، پھر جب وہ آئے تو ہم اُن کی نصرت کو نہ کئے اور
 وہ ہمارے پڑوس میں قتل کر ڈالے گئے اور ہم نے کچھ اُن کی مدد
 نہ کی اور انھوں نے دیکھا کہ یہ عار و ننگ ہم سے دور نہیں ہو سکتا
 مگر اس طرح کہ ہم اُن لوگوں کو جو اُن کے قتل میں شریک ہوئے ہیں
 قتل کریں یا خود اس سلسلہ میں اپنی جانیں نثار کر دیں۔“

(طبری جلد ۷، ص ۴۴)

کیا اس عبارت سے صاف طور پر ظاہر نہیں ہوتا کہ شیعہ جماعت قاتلین
 امام حسینؑ کی جماعت سے جدا گانہ تھی اور پہلی جماعت پر جو الزام ہے وہ یہ کہ
 انھوں نے مدد نہیں کی اور دوسری جماعت وہ ہے جسے قتل کرنے کو وہ اپنے جرم
 کا کفارہ سمجھتے ہیں۔

پھر سلیمان بن عمرو خداجی کے مکان پر اجتماع ہوا اس موقع پر سید
 بن نجبه نے جو تقریر کی ہے وہ یہ ہے :

”ہم بہت اپنی سچائی پر ناز رکھتے تھے اور اپنی جماعتِ شیعہ
 کی بیخ و بن کیا کرتے تھے، لیکن خدا نے ہمارا امتحان لیا اُس وقت
 معلوم ہوا کہ ہمارے دعوے غلط ہیں۔ ہم نے حسینؑ کو دعوت دی، اُن
 کے پاس پیغام بھیجے کہ آئیے ہم مدد کریں گے، لیکن جب وہ آئے تو

ہم نے اپنی جانوں کو چھپایا یہاں تک کہ وہ ہمارے پیرس میں قتل ہو گئے، نہ ہم نے اپنے ہاتھوں سے اُن کی نصرت کی اور اپنی زبان سے اُن کی حمایت کی اور نہ اموال سے اُن کو تقویت پہنچائی اور نہ اپنے قبیلہ کو اُن کی نصرت پر آمادہ کیا، اب خدا اور رسول کو کیا جواب دیں گے جب کہ ہمارے ملک میں فرزند رسول کو قتل کر ڈالا گیا بیشک ہمارا کوئی عذر مٹانے کے قابل نہیں لیکن اب یہ موقع ہے کہ اُن کے قاتل کو اور جن لوگوں نے اُن کے قتل میں شرکت کی ہے انھیں قتل کریں یا اسی سلسلہ میں اپنی جانیں نثار کر دیں۔ (صفحہ ۴)

یہ بھی صریح طور پر اس کی دلیل ہے کہ قاتلان حسینؑ یا قتل حسینؑ میں شرکت کرنے والی جماعت، جماعت شیعہ سے کوئی تعلق نہ رکھتی تھی۔

اس کے بعد حبیب سلیمان بن صرد اس جماعت کے قائد اعظم کی حیثیت سے منتخب ہو گئے تو انھوں نے جو تقریر کی اور جس کو وہ برابر ہر جمعہ میں دہرایا کرتے تھے اُس کا مختصر اقتباس یہ ہے :

" اَنَا كُنَّا فِى دَا عِنَا قَنَا اِلَى قَدَا وَمَا لَنَا نَبِيْنَا وَنَمِيْنُهُم
النَّصْرُ وَنَحْتُمُّ عَلَى الْقَدَا وَمَا لَنَا قَدَا وَمَا لَنَا نَبِيْنَا وَ
عَجَبِيْنَا وَادْهَتَا وَتَوْبَصْنَا وَانْتَظَرْنَا مَا يَكُوْنُ حَتَّى
قَتَلَ فِينَا وَلَدَيْنَا وَلَدَ نَبِيْنَا وَسَلَّاتَهُ وَعَصَا رُتَهُ
وَبَضَعَتْ مِنْ لَحْمِهِ وَدَمِهِ اِذْ يَسْتَصْرِخُ وَيَسْأَلُ
النَّصْفَ فَلَمْ يَعْطَاهُ اَتَّخَذَهُ الْفَاسِقُوْنَ غَرْصًا لِنَبْلِ

و درية للرماح حتى اقصدوه“

ہم لوگ گزریں اٹھا اٹھا کر اشتیاق کے ساتھ اہل بیت
رسول کی تشریف آوری کے منتظر تھے اور ان کو نصرت کی امیدیں
دلاتے تھے اور آنے پر آمادہ کرتے تھے، لیکن جب وہ آئے تو
ہم نے کم زوری کی اور عاجز رہے اور سستی کو کام میں لائے اور
منتظر رہے کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ ہمارے ملک
میں اور ہمارے قریب ہی فرزند رسول قتل کر ڈالے گئے جب کہ
وہ فریاد کر رہے تھے لیکن کوئی انصاف سے کام نہ لیتا تھا۔

فائقین کی جماعت نے ان کو اپنے تیروں کا نشانہ اور نیزوں کا
مشرق بنالیا یہاں تک کہ انھیں شہید کر ڈالا۔ (صفحہ ۴۹)

اس سے بھی صاف ظاہر ہے کہ یہ لوگ کوفہ ہی میں رہ گئے تھے اور قتل حسین
میں شرکت کرنے والی جماعت فائقین ان سے جدا گانہ ہے۔

پھر وہ موقع کہ جب زید ہلاک ہوا اور سلیمان بن صرد کے پاس شیعی جماعت
کے بہت سے افراد نے آکر کہا کہ اس وقت حکومت کے ارکان میں تزلزل ہو
یہی موقع ہے کہ ہم انتقام کے لیے اٹھ کھڑے ہوں اور ان کے قاتلوں کو چن
چن کر قتل کریں اس وقت سلیمان نے جو تقریر کی وہ یہ ہے،

”انی قد نظرت فیما تذکرون فرأیت ان قتلۃ

الحسین هم اشراف اهل الکوفة و فرسان العرب
و هم المطالبون بدمہ و متے علموا ما تریدون و

علموا انهم المطلوبون كانوا اشد عليكم ونظرت
فبين تبعتني معكم فعلمت انهم لو خرجوا لم يدركوا
ثاودهم ولم يشفوا انفسهم ولم ينكوا في عدوهم
وكانوا لهم جزرا ولكن بشوا دعائكم في المصراخ

” میں نے اس معاملہ میں غور کیا تو یہ دیکھا کہ قاتلان حسین
کو مرنے کے سربراہ آدودہ اشخاص اور شیوخ و اشراف قبائل ہیں اور
اُن ہی پر حسین کے قتل کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور جب
انھیں تم لوگوں کے ارادہ کی خبر ہوگی اور یہ معلوم ہوگا کہ اُس کا
اثر اُن پر پڑے گا تو وہ سختی سے تمھاری مخالفت پر آمادہ ہو جائیں
گے اور میں نے اندازہ کیا اُن لوگوں کا جو میرا ساتھ دینے پر آمادہ
ہیں تو معلوم ہوا کہ وہ اتنی تعداد میں ہیں کہ اُن کے خروج کرنے سے
نہ تو انتقام لیا جاسکتا ہے اور نہ مقصد حاصل اور نہ دشمن کو کوئی
نقصان پہنچ سکتا ہے بلکہ یہ لوگ گوسفند کی طرح کاٹ کر ڈال دیے
جائیں گے۔ لیکن مناسب یہ ہے کہ تم اپنے دعاۃ و مبلغین اطراف
الکناث میں روانہ کر کے لوگوں کو اپنی موافقت پر آمادہ کرو۔“

(طبری جلد ۲، ص ۵۲)

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ قتل حسین کے ذمہ دار اشخاص شیوخ و اشراف
قبائل تھے جن کی مذہبی حقیقت مختصر طور پر ہم نے سابق میں واضح کر دی اور
یہ کہ جماعت شیعہ کو اُن سے کوئی تعلق نہ تھا۔ نیز اس شعبے کی جماعت کی جو کوئی

میں موجود تھی تعداد بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ وہ کوئی نمایاں حیثیت نہ رکھتی تھی پھر وہ تقریر جو عبید اللہ بن عبد اللہ مری کی زبان سے تالیخ میں درج ہو اس میں بھی ہے کہ

”فقتله عدوه وخذله وليه فويل للقائل و
ملامة للخاذل ان الله لم يجعل لقاتله حجة و
لا لخاذله معذرة الا ان يناصر الله في التوبة
فيجاهد القاتلين وينابذ القاسطين“

”فرزند رسولؐ کے لیے دشمن قتل کرنے پر آمادہ ہو گئے اور دوسروں نے ان کی مدد نہ کی، پس عذاب کئے مستحق ہیں ان کے قاتل اور سرزنش کے لائق ہیں ان کے چھوڑ دینے والے، نہ ان کے قاتل کے لیے خدا کے یہاں کوئی جحمت ہے اور نہ ان کے بے مدد گار چھوڑنے والوں کا کوئی عذاب قابل سماعت ہے مگر یہ کہ وہ اب سبکے دل سے توبہ کر کے ان کے قاتلوں سے جہاد کریں اور ظالموں سے جنگ کریں“ (صفحہ ۵۲)۔

وہ وقت کہ جب یہ لوگ بہ عزم جہاد کو فہ سے کربلائے معلیٰ آئے ہیں اس موقع پر مشن بن مجرب نے جو تقریر کی تھی اس میں یہ فقرات قابل توجہ ہیں:

”قد قتلهم قوم بخن لهما عداؤ ومنهم
بواء وقد خرجنا من الديار والاهل والاموال
ارادة استيصالهم قتلهم“

”حسینؑ و انصارِ حسینؑ کو ایک ایسی جماعت نے قتل کیا
جن کے ہم دشمن اور جن سے ہم بیزاد ہیں اور اب ہم اپنے اہل عیال
کو چھوڑ کر اپنے گھر سے اس لیے نکلے ہیں کہ اُن کے قاتلوں کے رگ
ریشہ کو فنا کر دیں۔“ (صفوحہ ۲۷۱)

ان تاریخی نصوص و شواہد سے آفتاب کی طرح روشن ہو جاتا ہے
کہ جماعتِ شیعہ میں سے کوئی شخص بھی قتلِ امامِ حسینؑ کے لیے کربلا میں موجود
نہ تھا۔

بے شک ان پر جو سب سے بڑا جرم عائد ہو سکتا ہے جس کے وہ خود
معترف تھے وہ نصرتِ حسینؑ سے کنارہ کشی کرنا اور حضرت پر اپنی جانیں
نثار کر دینے میں کوتاہی کرنا اگرچہ یہ جن دسباب و علل اور مشکلات و موانع پر
مبنی تھا اُن کو کافی تو صیغ کے ساتھ حوالہ دیکھ کر چکا ہے ہم اس کو جرم
تسلیم کرنے پر تیار ہیں، لیکن اس جرم سے سنگین تر نہیں کہ رسول کو میدانِ
جنگ میں دشمنوں کے زرخے میں تنہا چھوڑ کر اپنی جان کی حفاظت نگے لیے
فرار کر لیا یا جہڑی نقطہ نظر سے اپنے مانے ہوئے خلیفہ کو خود دار الخلافہ اور مرکزِ حکومت کے
اندراجِ حملہ آور فوجوں کے حلقے کے اندر محصور چھوڑ کر تماشا دیکھتے رہیں
اور اُن کے قتل ہو جانے کے تین دن بعد تاک اُن کی لاش دفن کرنے تک کی جڑا
نہ کریں۔

یاد رہے کہ رسولِ اکرمؐ کے ساتھ صحابہ کرام میں سے جنگِ حد میں پندرہ میں
آدمی بھی نہ رہے تھے اور جنگِ حنین میں بارہ سے زیادہ لڑائی میں نہ بھڑے

تھے، اور یوم الدار حضرت عثمان کی مدد کے لیے اُن کی ماننے والی جماعت میں سے
 بیس آدمی بھی جانثار دکھلائی نہ دیتے تھے لیکن فرزند رسول حسین بن علیؑ
 کے ساتھ جماعت شیعہ میں سے عزیز و اقارب چھوڑ کر کم از کم چوں آدمی جان قیاب
 کرنے والے نکل آئے تھے۔

کیا اس کے بعد بھی غیرت کا تقاضا ہے کہ جماعت شیعہ کو حسینؑ کی لہر
 میں کوتاہی کا طعنہ دیا جائے یا اس سے بڑھ کر اُن پر قتل حسینؑ کا غلط اور
 بے بنیاد الزام لگایا جائے۔ والسلام

علی نقی النقی عفی عنہ (لکھنؤ)

محرم ۱۳۵۷ھ

سیرنا علی

قاتلان حسینؑ کی روپوشی کے بہانے

—یا—

قاتلان حسینؑ کو شیعہ کہنے والوں کے دلائل

خیالات کا اختلاف اگر سچائی اور حقیقت پروری پر مبنی ہو تو ان کا ایک نقطہ اتحاد پر مجتمع ہو جانا کوئی دشوار نہیں، با اصول اور آئینہ بحث و تحقیق اور دل نشیں ادلہ و براہین کا طاقتور و با دہیقنا انصاف کی شرط کے ساتھ مختلف آراء و افکار کو ایک صحیح مرکز پر لاسکتا ہے لیکن جب خیالات جذبات کے ماتحت اور اقوال سخن پروری و تعصب نفسانی کے پابند ہوں تو انہی شکست کھیتی شکست نہیں قرار پاتی۔ باطل شکن دلائل کی ہزار زدوں پر گرنے کے بعد تیوریوں پر بل نہیں آتے، گویا گروہی جو کہ جھڑ گئی۔ مرغ کی ایک ٹانگ کے بجائے دو ٹانگیں ہو جائیں ناممکن ہے۔ اس قسم کے خیالات کی پہچان

یہ ہے :-

(۱) اکثر دلائل میں مصادر علمی المطلوب کی جھلک نمایاں ہو یعنی الٹ پھیر کر کے خود دعوے کو دلیل میں پیش کر دیا جاتا ہو۔

(۲) کبھی ہوتی باتیں جن کا جواب ہو چکا ہے الفاظ کو ادل بدل کر پھر پیش کر دی جائیں تاکہ گفتگو کا سلسلہ قطع نہ ہو اور عوام کی نظروں میں سنی کم مائیگی دہتی دہتی کا مظاہرہ نہ ہونے پائے۔

(۳) سلسلہ بحث میں غماز مخواہ خلیج از بحث باتوں کو پھیر کر عام افراد کے دماغوں کو ابھرنے کی کوشش کی جائے تاکہ وہ اصلی نقطہ بحث کے متعلق صحیح رائے سہولت سے قائم نہ کر سکیں۔

(۴) علمی و مذہبی باتوں میں ذاتیات کا سوال درمیان میں لا کر اور مخاطب کی شخصیت پر حملہ کر کے محاذ جنگ کو بدلنے کی کوشش کی جائے۔

(۵) عقل و منطق اور تاریخ و حدیث کے قطعی ادل سے کنارہ کشی کر کے خطابیات کے دامن میں پناہ لی جائے اور عوام کی سادہ لوحی سے فائدہ اٹھا کر ایسی سطحی باتیں پیش کر دی جائیں جن پر جاہل عوام امتنا و صدقنا کہہ دیں، چاہے حقیقت شناس اور باخبر افراد اُن کو کتنا ہی سبک و غیر وقع خیال کریں۔ قاتلان حسینؑ کو شیعہ بنانے کے جو دلائل ہمارے پیش نظر ہیں اُن میں ایسے ہی عناصر کا دفرما ہیں اور یہ خصوصیات اُن میں نمایاں طور پر نظر آ رہی ہیں جس کا احساس باخبر افراد خود کر سکتے ہیں۔

ان دلائل کا مناظرانہ جواب تو قوم کے مناظرین کا حق ہے جس کو وہ خوب

ادا کر رہے ہیں۔ لیکن میں تو اپنے مسلک کا پابند رہتے ہوئے جو مناظر سے تعلق نہیں رکھتا ان دلائل پر ایک اجماعی روشنی ڈالنا چاہتا ہوں جس سے معلوم ہو گا کہ یہ دلائل ایک بحث کے محققانہ فیصلے کے لیے کہاں تک کامیاب ہو سکتے ہیں۔

پہلی دلیل بیچ البلاغہ کے وہ اقتباسات جن میں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں کی بے وفائی اور بدسلوکی کا اظہار فرمایا ہے اور ان کی شکایت کی ہے۔ ان کو نافرمان، بے وفا، بزدل، خائن، مفید حیلہ ساز، بد عہد، ناقابل اعتماد، بے غیرت وغیرہ اوصاف سے موصوف فرمایا ہے۔ پھر حبشیوں کی یہ حالت ہے تو ان سے قتل حسین کیا مستبعد ہے۔ جو لوگ حضرت علیؑ کے ساتھ یہ بتاؤ کر سکتے ہیں وہ امام حسینؑ کے ساتھ بد رتبہ اولیٰ اس سے بڑھ کر کر سکتے ہیں۔

اس استدلال کی منطقی کمزوری اور اساسی بے بنیادی سے قطع نظر کرتے ہوئے صرف اس غلط فریبی پر توجہ کیجیے کہ امیر المومنینؑ نے جن لوگوں کی مذمت فرمائی ہے وہ شیعہ تھے۔

اور لطف یہ ہے کہ یہ شایع کیا گیا ہمارے اسی رسالے ”قاتلان حسینؑ“ کا مذہب کے دوسرے ایڈیشن کے بعد جس میں ایک مستقل باب ”عام اہل کوفہ کا مذہب“ کے عنوان سے درج کیا جا چکا ہے۔

اب رسالے کا یہ ایڈیشن آپ کے سامنے ہے، اس میں کمال کر

اُس باب کا مطالعہ کیجیے اور پھر خیال کیجیے کہ اُس جواب کے بعد اس سوال کا دہرانا اپنی استدلالی بے مائیگی کا ثبوت دینا نہیں تو کیا ہے؟ اُس میں ہم نے بہت سلجھے ہوئے الفاظ میں دو تفسیحات قائم کر دی ہیں:

(۱) حضرت علیؑ کی بیعت کر کے آپ کے ساتھ لڑائیوں میں شریک ہونے والوں نے آپ کے رسول کے بعد بحیثیت وصی برحق و خلیفہ بلا فصل بیعت کی تھی یا پہلے دو سکر تیسرے دور کے بعد بحیثیت خلیفہ رابع کے؟
(۲) حضرت علیؑ کو خلیفہ چہارم ہونے کی حیثیت سے امام تسلیم کرنے والا کس مذہب کا شخص ہو سکتا ہے؟

دونوں باتوں کا جواب ظاہر ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت علیؑ کو ظاہری خلافت کے دور میں چوتھے ہی درجے پر تسلیم کیا گیا تھا اور آپ کے ساتھی بحیثیت خلیفہ رابع ہی کے آپ کی اطاعت کے فرض کو انجام دے رہے تھے اور یہ بھی واضح ہے کہ حضرت امیر کو چوتھے نمبر پر خلیفہ سمجھنے کا عقیدہ مذہبِ اہلسنت سے تعلق رکھتا ہے اب بتلائیے کہ حضرت علیؑ کو اپنے اصحاب سے جو شکایتیں پیدا ہوئیں اور جو افسوس ناک صورتیں پیش آئیں اُن کی ذمہ داری کس جماعت پر عائد ہوتی ہے؟

خود نہج البلاغہ میں حضرت امیر المومنینؑ نے جس طرح اپنے ساتھیوں کی شکایتیں کی ہیں اور اُن سے طح طرح کی بیزاری کا اظہار کیا ہے اسی طرح اُن کے مذہب پر بھی روشنی ڈال دی ہے اور بتلا دیا ہے کہ وہ آپ کی ہوا خواہی کا دم کس عقیدے کی بنیاد بھرتے تھے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو نہج البلاغہ مطبوعہ مصر عشی

بحاشیہ مفتی دیار مصریہ شیخ محمد بن عبدہ جلد ۲ ص ۱ :

”انما بايعنى القوم الذين بايعوا ابا بكر وعمر
عثمان على ما بايعوه عليه فلم يكن للشاهدين
يختارون ولا للغائب ان يردوا انما الشورى للمهاجرين
والانصار“

”سیرت بیعت کی انھیں لوگوں نے جنھوں نے بیعت کی ابو بکر و
عمر و عثمان کی اسی اصول کی بنیاد پر جس پر ان کی بیعت کی گئی ،
لہذا اس اصول کے لحاظ سے موقع پر موجود رہنے والے کو دوبارہ
نظر ثانی کا حق نہ تھا اور نہ ایسے شخص کو جو موجود نہ تھا اس فیصلے
کے مسترد کرنے کا حق پیدا ہو سکتا ہے اور شوریٰ مہاجرین و انصار
کے ساتھ مخصوص ہے“

اب تو امیر المومنین کے ساتھ والوں کا مذہب بے نقاب ہو گیا اور معلوم
ہوا کہ وہ شکایتیں اور مذمتیں جو آپ نے اپنے صحاب کی فراموشی میں شیعہ افراد
سے کوئی تعلق نہیں رکھتیں ، اسی سے

دوسری دلیل کی حقیقت بھی ظاہر ہو جاتی ہے جس کو ٹیٹ شد و مد سے حضرت
امام حسن کے ساتھ شیعوں کی بدسلوکی کی ”کی سرخی سے پیش کیا
جاتا ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ

”جناب امیر کی شہادت کے بعد جب امام حسن نے معاویہ سے
صلح کرنی تو آپ کے ساتھیوں میں انتہائی اضطراب رونما ہو گیا

اور آپ کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں اور اس بنا پر حضرت نے بھی اُن کی مختلف الفاظ میں شکایت کی ہے اور اُن کے مظالم کا تذکرہ کیا ہے۔ پھر جن لوگوں نے حضرت امام حسن کو ایسی ایذا میں اُن کے قتل کے لیے تیار ہوئے، اُن کو خنجر مارا، اُن کو پکڑ کر حضرت معاویہ کے حوالے کر دینے کا ارادہ کیا، اُن کا خیمہ لٹا، اُن کی لونڈیوں کے زور اُتار لیے اُن سے امام حسینؑ کے قتل کو مستبعد کہنا کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے۔“

بے شک کچھ مستبعد نہیں ہو سکتا، لیکن امام حسینؑ کے ساتھ ایسا قسم کے سلوک کرنے والے کون تھے؟ وہ وہی تھے کہ جنہوں نے حضرت امیرؑ کے دل کو لہو کر دیا تھا اور جن کو حضرت نے نافرمان، بے وفا، جملہ سازبد عہد، ناقابل اعتماد وغیرہ اوصاف سے موصوف فرمایا ہے اور جن کے مذہب کو خود حضرت نے بایعنی القوم الذین بايعوا ابا بکر وعمر وعثمان علی ما بايعوه علیہ کی لفظوں میں صاف صاف ظاہر فرمادیا۔

حضرت امام حسنؑ کا بعض مواقع پر یہ ارشاد کہ ہولاء یعنی عمون اذہم فی شیعۃ (ایہما دعویٰ ہی گفتہ کہ شیعہ من اند) ان لوگوں کا دعویٰ ہے کہ یہ لوگ میرے شیعہ ہیں“ کسی طرح ان کے تشیع کا منظر نہیں ہے۔

جب علامہ ابن حجر مکی ایسا فرقہ شیعہ کی مخالفت کا علم بردار صواعق محرقہ میں تمام اُن احادیث کو جو شیعیان علیؑ اور شیعیان اہلبیتؑ کے متعلق وارد ہے ہیں اپنی جماعت پر منطبق کرتا ہے یہ کہہ کر کہ شیعہ علیؑ اور شیعہ اہلبیتؑ حقیقتہً ہم

ہیں اور بس تو پھر اسی صورت سے اصحاب امام حسن اپنے کو اگر شیعوہ امام حسن
سمتے ہوں تو کیا تعجب ہے

تیسری دلیل اصحاب ائمہ ہمیشہ ائمہ کو ایذا پہنچاتے رہے زرارہ
نے کتاب علیؑ کو دیکھ کر اس کو باطل کہا۔ امام
محمد باقرؑ کی نسبت جبارت آمیز الفاظ استعمال کیے۔ امام جعفر صادقؑ
نے ان کو جھوٹا کہا اور ان پر لغت کی اور انھوں نے امام جعفر صادقؑ کی نسبت نازیبا الفاظ
کہے، ابو بصیر نے امام جعفر صادقؑ پر طع و حرص کا الزام لگایا،
ربیع نے امام جعفر صادقؑ کو منصور خلیفہ عباسی کے پاس قتل کے
لیے حاضر کیا، مامون الرشید نے جو کہ شیعہ تھا صحیح دلیلی کو امام رضاؑ کے
قتل پر مامور کیا اور اس نے اس خدمت کو انجام دیا۔

یہ ہے اجمالی فہرست ان واقعات کی جنہیں بڑے شد و مد کے ساتھ پیش
کیا جا رہا ہے لیکن آخر اس کو قاتلان حسینؑ کے مذہب سے کیا تعلق؟ یعنی زرارہ
نے امام محمد باقرؑ کو (بالفرض) برا کہا پس قاتلان حسینؑ شیعہ تھے، ابو بصیر نے امام
جعفر صادقؑ کی نسبت سو وادب سے کام لیا تو قاتلان حسینؑ شیعہ ثابت ہوئے۔
ربیع نے امام جعفر صادقؑ کو منصور عباسی کے پاس حاضر کیا تو قاتلان حسینؑ شیعہ
ہونا ثابت، مامون الرشید نے جس کا شیعہ ہونا بھی کسی مستند دلیل سے نہیں ثابت،
امام رضاؑ کو شہید کیا لہذا قاتلان حسینؑ شیعہ تھے !!!

اس قسم کی باتوں کا پھیرنا اور ان سے بیشتر کتاب کے اوراق کو پر کرنا
صرف اسی لیے ہو سکتا ہے کہ عام افراد کا دماغ اس الجھاؤ میں پھنس کر حسی نقطہ

بحث سے علیحدہ ہو جائے اور اس پر صحیح رائے قائم نہ کر سکے۔

میں اگر ان باتوں سے ہر ایک کا مناظرانہ جواب دینے بیٹھ جاؤں اور اس پر تالیف و رجال کی روشنی میں تبصرہ کروں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ میں تفسیرِ مقابل کو اس کے مقصد میں کامیاب ہو جانے دیا یعنی حقیقۂ خارجی مباحث میں پڑ کر نقطہ بحث کہیں سے کہیں پہنچ گیا اور اصل مسئلہ مبہم کا مبہم رہ گیا۔ اس لیے میں اس کے فیصلہ کن تبصرے کو توہم کے مناظرین کے سپرد کر کے صرف اتنا کہتا چاہتا ہوں کہ ان روایات سے زیر بحث مسئلے پر آخر کیا اثر پڑتا ہے؟ صحابہ ائمہ علیہم السلام کے لیے صرف صحابی ہونے کے اعتبار سے فرقہ و شیعہ نے کوئی منزلت عطا نہیں کی ہے، ان کے متعلق اصحابی کا انجور بادیمہما قتد یتماہتد یتقر ایسی کوئی حدیث وضع کی ہے بلکہ وہ صحابہ ائمہ کی ذات کو مثل دیگر رواۃ کے علم رجال کے قوانین و ضوابط کے مطابق جرح و تعدیل کا پابند سمجھتے ہیں اور اس کے مطابق عمل کرتے ہیں۔

علمائے شیعہ جو زراہ و ابو بصیرہ وغیرہ کو مقبول الروایۃ سمجھتے ہیں تو وہ ان کے متعلق وارد شدہ روایات و حالات کی جانچ پڑتال اور محولہ بالا روایات کے کسی حیثیت سے ناقابل اعتبار ثابت ہو جانے کے بعد ہے۔ اور جس صورت میں گذر کردہ روایات صحیح مان لیے جائیں نہ زراہ و ابو بصیرہ کا کوئی وزن ہے اور نہ ان کی روایات کا کوئی اعتبار، بلکہ علمائے شیعہ کے نقطہ نظر سے وہ مجروح اور ساقط الاعتبار قرار پا جائیں گے۔

چوتھی دلیل ”قاتلانِ حسینؑ کے شیعہ ہونے کے لیے صرف یہ بات بھی

کافی ہے کہ وہ کوفہ کے رہنے والے تھے اور کوئی ہونا خود دلیل قیض ہی
 پختان چہ علامہ قاضی نور اللہ شہرستری مجالس المؤمنین میں لکھتے ہیں
 ”قیض اہل کوفہ حاجت باقامت دلیل نہ دارد و سنی بودن کوئی
 اصل خلاف اصل و محتاج بہ دلیل است“

اس کے جواب کے لیے مشکلی شایع ہو چکا تھا، ملاحظہ ہو ہمارے اسی
 کے دوسرے ایڈیشن میں ص ۳۴ پر باب ”عام اہل کوفہ کا مذہب“ جس میں اُن ہی
 دونوں تنقیحوں کی بنا پر جو صحاب امیر المؤمنینؑ کے تحقیق مذہب میں اس کے قبل
 ذکر ہو چکی ہیں یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ عام اہل کوفہ کو مذہب شیعہ سے کوئی تعلق نہ
 تھا جس کے بعد ہم نے لکھا تھا کہ

”اب کہنے دیجیے قاضی نور اللہ شہرستری کو کہ ”قیض اہل کوفہ
 حاجت باقامت دلیل نہ دارد و سنی بودن کوئی اصل خلاف اصل
 و محتاج بہ دلیل است“ یہ اُن کا ذاتی خیال ہے جس کے وہ خود ذمہ
 ہیں اور پھر وہ اہل کوفہ کے قیض کو مطابق اصل قرار دیتے ہوئے اس کے
 خلاف پہلو کو محتاج دلیل بتلاتے ہیں اور ہم نے قائلان حین کے مذہب
 پر کافی ادلہ قائم کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ان کا شیعہ مذہب سے کوئی تعلق
 نہ تھا اس کے بعد اصل کی آڑ پر نہ بالکل بے اصل ہے۔“

اب فرمائیے کہ قائلان حین کے مذہب پر ہمارے ادلہ کا جواب دیے بغیر ہماری قائم
 کردہ دونوں تنقیحوں کو غلط ثابت کیے بغیر ہمارے مذکورہ بالا استدلال کو کسی حیثیت سے
 توڑے بغیر پھر قاضی نور اللہ شہرستری ہی کی عبارت کو پیش کر دینا کہاں تک حق نہی ہے؟

پانچویں دلیل ” قائلانِ حسینؑ نے جو خطوط امام حسینؑ کے نام بھیجے اور ان کو بلایا اور امام مہدیؑ ان ہی خطوط کی وجہ سے بلایا میں آئے، ان خطوط میں خود انھوں نے اپنے کو شیعہ لکھا۔“

اس کے بعد ثبوت میں جلاء العیون، علامہ مجلسی کی عبارت درج کی گئی ہے جس کا مضمون بالکل وہی ہے جو ہم خود تاریخ طبری کے حوالے سے حوالہ قلم کر چکے ہیں اور اسی سے ہم نے صورت حالات کو دیکھتے ہوئے کافی بظاہر شریح کے ساتھ حسب ذیل نتائج اخذ کیے تھے۔

(۱) امام حسینؑ کو کوفہ کی جانب دعوت دینے کے بانی اور اس تجویز کے محرک یقیناً وہ افراد تھے جو شیعہ کہے جاسکتے ہیں لیکن ان کی تعداد کوفہ میں بہت قلیل تھی۔ بے شک ان کی تحریک کا حالات کی دستیاری کی بنا پر عام خلقت کی طرف سے بھی گرم جوشی کے ساتھ استقبال کیا گیا، لیکن وہ کسی عقیدہ کامل اور صحیح فکر و تدبیر کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ ایسے اسباب کا جو اتفاقی کہے جاسکتے ہیں اور منگامی حیثیت رکھتے ہیں۔

(۲) ان افراد کی کوششوں سے کہ جو شیعہ تھے رائے عام کے ہم وار ہو جانے کا نتیجہ یہ تھا کہ امام حسینؑ کے پاس خطوط اور عرض داشتوں کی کثرت ہو گئی، یہاں تک کہ ۵۳ عرض داشتیں تیار ہو گئیں جو ایک دو یا تین چار آدمیوں کے دستخط تھیں۔ ان کے اصلی بھیجنے والے اگرچہ شیعہ تھے لیکن جن لوگوں کے دستخط تھے ان سب کا شیعہ ہونا قابل تصدیق نہیں ہے۔

(۳) ان تمام کارروائیوں کے بعد جو اجتماعی حیثیت سے ہوئیں اور جو افراد شیعہ کی جدوجہد کا نتیجہ تھیں، ایک خط کوفہ سے امام حسینؑ کے نام بدیں الفاظ لکھا گیا کہ

کہ ”کھیتیاں پہلہا رہی ہیں اور سیوے درختوں میں رسیدہ ہوں وہاں لالہ لب ریز میں پس جب آپ چاہیں شریف لائیں ایک ایسے لشکر کی جانب جو آپ کے لیے آراستہ موجود ہے۔“ اس پر سات آدمیوں کے دستخط تھے، شہت بن ربیع، حجار بن ابجر، یزید بن

حارث، یزید بن دویم، عزہ بن قیس، عمرو بن الجراح زبیدی، محمد بن عمیر تیمی۔
(۴) وہ ابتدائی خطوط جماعت شیعہ کے نام سے گئے تھے لیکن اس آخری خط کے لکھنے والوں نے اپنے کو شیعوں نہیں لکھا تھا اور نہ کسی عقیدہ تشیع کا مظاہرہ کیا بلکہ ہم نے اس کے مضمون کا سابقہ خطوط کے مضمون سے موازنہ کر کے ثابت کر دیا تھا کہ اس خط کا کوئی تعلق اس جماعت سے معلوم نہیں ہوتا جو امام حسینؑ کو دعوت دینے کے بانی تھے بلکہ یہ خط ایک منظم سازش کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔

(۵) ان خطوط کے بھیجنے والوں میں سے جو جماعت شیعہ کے نام سے گئے ہیں ایک شخص کی بھی موجودگی واقعہ کر بلا میں امام حسینؑ کے مقابلے میں پائی نہیں جاتی بلکہ ان میں سے اکثر نے عہد وفا پر عمل کیا اور اپنی جان فرزند رسولؐ پر نثار کر دی۔ برخلاف اس کے آخری خط جس پر سات آدمیوں کے دستخط تھے ان میں سے پانچ کا مسلماً قتل کر بلا میں موجود ہونا اور قتل امام حسینؑ میں شریک ہونا ثابت ہے اور بقیہ دو کا بھی اپنے ساتھیوں کی معیت میں ہونا دور از قیاس نہیں ہے۔

اس کا فیصلہ ناظرین کے ہاتھ ہے کہ ہمارے مذکورہ بالا نتائج کو غلط ثابت کیے بغیر ہمارے مقابلے میں ایسی ہی عبارت پیش کر دینا جس کے مضمون سے ہم نے یہ نتائج اخذ کیے ہیں دیدہ دلیری نہیں تو اور کیا ہے۔

یہ خیال کہ جن لوگوں نے اپنے کو شیعوں لکھا تھا یا جنہوں نے خطوط روانہ کیے تھے

وہ شیعہ ہی تھے اس لیے کہ اگر شیعہ نہ ہوتے تو امام اُن کے قول پر اعتماد نہ کرتے اور دھوکا نہ کھا جلتے، اس لیے کہ ہر امام کو خدا کی طرف سے ایک رجسٹر ملتا ہے جس میں اُن کے شیعوں کے نام بقید ولایت لکھے ہوتے ہیں۔“

صحیح نہیں ہے اس لیے کہ امام بلکہ پیغمبر کے افعال و اعمال کی بھی بنیاد علمِ ظہن پر نہیں بلکہ علمِ ظاہر پر ہوتی ہے اور اُن کے فرائض اور احکام بھی اسبابِ ظاہر کے پابند ہوتے ہیں لہذا صورتِ حال کی بنا پر خطوط کے مندرجہ بیانات کو صحیح سمجھنا اور اُس کے مطابق طرزِ عمل اختیار کرنا ناگزیر تھا لیکن وہ اُن کی حقیقی راستی اور حقائق کا ذمہ دار نہیں ہے۔ اور اسی سے

چھٹی دلیل کا ذہن بھی معامد ہوتا ہے کہ ”امام حسینؑ نے خود بھی ان خط کے لکھنے والوں کو شیعہ فرمایا۔“

اور اس کے ثبوت میں علامہ مجلسی کا یہ فقرہ درج کیا ہے کہ حضرت نے اپنے اصحاب سے مسلم دہانی کے قتل کی خبر سنانے وقت فرمایا:

”شیعیانِ ماضی از یاری ما برداشتند“ (ہمارے شیعوں نے ہاتھ

ہماری مدد سے اٹھا لیا)۔

چوں کہ خطوط جو آئے وہ جماعتِ شیعہ کے نام سے تھے اور چاہے خط لکھنے والوں میں اکثر افرادِ شیعہ سے واسطہ نہ رکھتے ہوں لیکن افرادِ شیعہ کی تحریک سے وہ بھی اُس وقت حضرت امام حسینؑ کی شیعیت یعنی تابعِ فرمان ہونے کے دعوے دار تھے لیکن چھتر مسلم کے درود کے بعد ان حالات کی بنا پر جن کو تشریح کے ساتھ رسالے میں بیان کیا جا چکا ہے انھوں نے مسلم کی مدد نہ کی یہاں تک کہ مسلم شہید ہو گئے تو یہ کہنا

بالکل صحیح ہے کہ ”شیعیان ما دست از نصرت ما برداشتند“

لیکن اس سے تمام خط لکھنے والوں کے مذہب پر روشنی نہیں پڑتی۔
پھر اب اگر ان خط لکھنے والوں میں سے کچھ لوگ واقعہ کر بلا میں امام حسین کے
مقابلے میں موجود بھی ہوں تو اس سے کیا نتیجہ؟ جب کہ اس خط کے متعلق جو بات
آدمیوں کے نام سے کیا تھا ہم نے خود اپنے رسالے میں اظہار کیا ہے کہ ان میں سے
پانچ آدمی یقیناً واقعہ کر بلا میں موجود تھے اور یہی وہ لوگ تھے جو اس شکر کے
سرداروں میں سے بھی تھے لیکن ان لوگوں کی جماعت شیعہ سے بے تعلق پورے
طور پر ثابت ہو چکی ہے۔

پھر اسی بات کو جو خود ہم نے لکھی تھی ہمارے مقابلے میں جلاء العیون مجلسی
سے پیش کرنا کہ وہ لکھتے ہیں کہ

”پس (عمر بن سعد) عروہ بن قیس حمیری را طلبید و خواست

کہ بر رسالت بخدست حضرت بفرستد چون آں نامزدانہا بود کہ

نامہ حضرت نوشته بودند قبول رسالت نہ کرد ہر ایک از رؤساء

شکر کہ می گفت باین علت ایامی کہ دند زبرا کہ اکثر از انہا بودند

کہ نامہ حضرت نوشته حضرت را بہ عراق طلبیدہ بودند“

کہاں تک کام یابی کی نشانی قرار پاسکتا ہے۔

بے شک کہ فری کی رائے عام افراد شیعہ کی جدوجہد سے امام حسین کے لیے

ہم دار ہو چکی تھی اور وہ تمام لوگ زید کی خلافت سے بیزار اور حضرت کی تشریف

آوری عراق کے آرزو مند تھے اور متفقہ حیثیت سے حضرت کو دعوت دینے میں

شرکیہ تھے اور ان میں سے کثیر تعداد نے حضرت مسلم کے توسط سے آپ کی بیعت بھی کی تھی لیکن بعد میں حالات کے انقلاب نے اُن کے عزائم و نیات میں بھی انقلاب پیدا کر دیا اور وہی تلواریں جو حسینؑ کی نصرت کے لیے تیز کی گئی تھیں حسینؑ سے جنگ میں صرف ہوئیں لیکن اس کی ذمہ داری افراد شیعہ پر کہاں تک عائد ہوتی ہے؟ اس کا فیصلہ ہمارے رسالے کے تاریخی بیانات کے مطالعے پر موقوف ہے۔

پھر اگر اہل کوفہ کے اس انقلاب حالت کا حوالہ دیتے ہوئے امام حسینؑ نے احتجاج طبرسی کے بیان کے مطابق عام اہل کوفہ کو مخاطب کر کے یہ فرمایا بھی ہو کہ:-
”تم نے ہم کو بے قرار ہو کر پکارا اور ہم تمھاری پکار پر تیزی کے

ساتھ آئے تو تم نے ہم پر تلوار کھینچ لی“

تو اس سے جامعیت شیعہ کا کیا تصور ثابت ہوتا ہے۔ اُنھوں نے تو اپنا سا کام کر لیا تھا لیکن ہنگامی انقلابات کو وہ کیا کر سکتے ہیں۔ پھر اُنھوں نے اپنے عہد پر عمل بھی کیا اور ان میں سے اکثر افراد نے اپنی جانیں حسینؑ پر نثار بھی کیں جن کا تذکرہ سابق میں ہو چکا۔

امام حسینؑ کی قشرب آوری کے متعلق اہل کوفہ کی عام آرزو و خواہش اور دعوت پر نظر کرتے ہوئے امام زین العابدینؑ کا یہ فرمانا بالکل حق بہ جانب تھا کہ
”هل تعلمون انکم کتبتتم الی ابی و خدا عتقوہ الخ“

”تم نے میرے والد بزرگوار کو خط لکھا اور ان کو فریب دیا“

لیکن عام اہل کوفہ شیعہ کب تھے؟ اور اسی طرح حضرت کا اہل کوفہ کو رو بنے دیکھ کر یہ فرمانا کہ ان هؤلاء یبکون فمن قتلتنا غیرہم یہ لوگ ہم پر دروہے ہیں مگر

ان کے سوا ہم کو قتل کس نے کیا ؟
 اس سے ان کے تشیع پر روشنی کون سی پڑی ؟ یکس نے کہہ دیا کہ امام
 حسینؑ کی مظلومیت سے متاثر ہو کر رد دینا تشیع کی ضمانت ہے ؟

مخالف کی عجیب و غریب تحریف مجالس المؤمنین کی عبارت سے بے جا استدلال شیعیان کو ذہن کے قتل امام حسینؑ میں شریک ثابت کرنے کی ناکام کوشش

قاتلان حسینؑ کو شیعہ ثابت کرنے کے سلسلے میں بڑے شد و مد سے جو چیز
 پیش کی جاتی ہے وہ مجالس المؤمنین مصنفہ قاضی نور اللہ شوشتری کی عبارت
 ہے لیکن ہم نے جو اصل کتاب کو نکال کر عبارت کا مقابلہ کیا تو نقل شدہ عبارت
 میں ایسی کاٹ چھانٹ تراش خراش نظر آئی جو کسی طرح دیانت و امانت کے
 اصول پر جائز نہیں ہو سکتی۔ اپنے مطلب کے حصول کے لیے اس مضمون کی تحریف کرنا
 فن تصنیف و تالیف اور مباحثہ و مناظرہ پر بدنام داغ لگاتا ہے۔

اب ہم منقول شدہ عبارت اور اس کے مناسب سے اصل عبارت درج کر کے
اس کے تحریفات کی نشان دہی کرتے ہیں۔

منقول شدہ عبارت جس کو پیش کیا جاتا ہے

”سلیمان بن ضر و خزاعی ساکن کوفہ دست و سبب خروج
او بر بنی امیہ آن بود کہ چون طائفہ کوفیاں با سلم بیعت کردہ نقص
عہد کردند و فوجت بہ شہادت امام حسین رسانیدند سلیمان بعد از چند
ماہ متنبہ شدہ انگشت حسرت بہ دندان گرفتہ بر خود نفرین می کرد کہ
خسران دنیا و آخرت نصیب باشد کہ بعد ازاں کہ امام حسین را
طلب ایتیم تیغ بر روی او کشیدیم تا از بے وفائی ما رسید باو آن
رسید و رؤسای این جماعت پنج نفر بودند سلیمان بن ضر و خزاعی و
مسیب بن نجبه و عبداللہ بن سعد و عبداللہ بن وال در قاعہ
بن شداد و این پنج کس از سفارت اصحاب امیر المومنین بودند و
چون عزیمت ایشان بہ طلب خون امام حسین تقصیم یافت جمع کثیر
در سرای سلیمان بن ضر و خزاعی جمع آمدند و مسیب بن نجبه کہ مصوب
عمر سعد بہ کر بلا رفتہ بود آغاز سخن کردہ الخ

اصل عبارت جو مجالس المؤمنین کے مطبوعہ نسخے میں موجود ہے

سلیمان بن ضر و کا نام لکھنے کے بعد استیعاب ابن عبد البر کے حوالے سے اُن کے

مختصر حالات درج کیے ہیں پھر لکھا ہے :

”صاحب روضۃ الصفا آورده کہ منشاء خروج بر بنی امیہ
 اُن بود کہ طائفہ کہ از کوفیاں با سلم بن عقیل عہد و بیعت کردہ
 بودند و نقض عہد کردہ امام حسینؑ را نصرت نہ نمودند تا یا اہل بیت
 و اصحابِ خود بہ درجہ شہادت رسید بعد از چند گاہ متنبہ شدہ
 انگشت حیرت بہ دندان گرفتہ بر خود نفرین کردند کہ خسران دنیا و
 آخرت نصیب ما شد کہ بعد ازاں کہ امیر المومنین حسینؑ را طلب التیم
 تیج در روئے او کشیدیم تا از بے وفائی ما رسید باو اُن چہ رسید
 رو سائے این جماعت پنج نفر بودند سلیمان بن صرد و انحرای و سب
 بن نجبہ الفزاری و عبد اللہ بن سعد الازدی و عبد اللہ بن ابی التیمی
 و رفاعہ بن شداد و این پنج کس از معارت اصحاب امیر المومنین علیؑ
 بودند و چون عزیمت ایشان بہ طلب خونِ امام حسینؑ نصیم یافت جمع
 کشید در سرای سلیمان بن صرد جمع آمدند و سب بن نجبہ کہ مصوب عمر
 بن الخطاب بر کربلا رفتہ آغاز سخن کردہ الخ“

اب ملاحظہ ہو کہ اس مختصر سی عبارت میں کتنے تصرفات جائز سمجھے

گئے ہیں :

”سلیمان بن صرد و انحرای ساکن کوفہ است و سب خروج او بر بنی امیہ اُن
 بود“ اس عبارت کو ایک ڈال اور مسلسل طور پر نقل سے غرض یہ ہے کہ آخر تک تمام
 عبارت قاضی نور اللہ شوشتری کی سمجھی جاسکے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ سلیمان

بن صدوز اعلیٰ سا کہن کو ذہ است کے بعد کچھ حالات لکھ کر ”صاحب روضۃ الصفا
آوردہ“ کی لفظیں موجود تھیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد کی عبارت روضۃ الصفا
کی ہے جو علمائے اہل سنت میں سے ہیں اور شیعہ مذہب کے کوئی تعلق نہیں رکھتے پھر
اس کے بعد یہ الفاظ تھے کہ ”طائفہ کوازی کو فیاں با سلم بن عقیل عہد و بیعت کردہ
بودند و نقض عہد کردہ امام حسین را نصرت نہ نمودند تا با اہلبیت و اصحاب خود
بر درجہ شہادت رسید“

”اہل کوفہ میں سے وہ جماعت کہ جس نے مسلم بن عقیل کے ساتھ
عہد و بیعت کی تھی اور پھر عہد شکنی کر کے امام حسینؑ کی نصرت نہ
کی یہاں تک کہ حضرت اپنے اہل بیت و اصحاب کے ساتھ جزیر
شہادت پر فائر ہوئے“

اس سے ظاہر ہے کہ اُس جماعت اہل کوفہ پر جو الزام عائد کیا جا رہا
ہے وہ یہ ہے کہ انھوں نے امام حسینؑ کی مدد نہ کی یہاں تک کہ حضرت شہید ہو گئے
ہیں، لیکن اس عبارت کو نقل جو کیا جاتا ہے تو وہ یوں کہ :
”چوں طائفہ کوازی با سلم بیعت کردہ نقض عہد کردند و
نوبت بہ شہادت امام حسینؑ رسانیدند“

”جب اہل کوفہ کی جماعت نے مسلم کے ساتھ بیعت کر کے عہد
شکنی کی اور امام حسینؑ کی شہادت تک نوبت پہنچائی :
اس میں ایک تو طائفہ از کوازی کے بجائے ”طائفہ کوازیوں“ کہہ کر
امدادی کو تمام اہل کوفہ کی جانب عائد کر دیا گیا ہے پھر نصرت نہ نمودند

”تا بدرجہ شہادت رسید“ کہ بجا۔
 ”نوبت بہ شہادت امام حسینؑ رسانیدند“ کہ کہ حضرت سید الشہداءؑ کے
 قتل کو تمام تر اُن ہی کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے جس سے اُن ہی کا قاتل امام
 حسینؑ ہونا ثابت ہو۔“

پھر اس کے بعد اصل عبادت یوں ہے کہ
 ”بعد از چند گاہ متنبہ شدہ انگشت حیرت بہ دندان گرفتہ
 بر خود نفرین کردند“

یعنی وہی جماعت کچھ عرصے کے بعد متنبہ ہو کر انگشت بہ دندان
 ہوئی اور اُس نے اپنے اوپر لعنت تلاوت کی۔
 لیکن نقل کرنے میں یوں کر دیا گیا کہ
 ”سیلمان بعد از چند ماہ متنبہ شدہ انگشت حسرت بہ دندان
 گرفتہ بر خود نفرین کرد۔“

یہ اس لیے کہ صاف طور پر سیلمان بن صدر خزاعی اُس ذمہ داری قتل میں شریک
 ہو جائیں اور اس سے حل شدہ نہ رہیں۔

کیا حقیقت کی تلاش کیے وہی ہی طمع کاریوں کی ضرورت ہوتی ہے اور
 تحقیق کے معنی یہی ہیں کہ اتنی حقیقت پوشی سے کام لیا جائے۔

اسی سے ناظرین کو اندازہ ہو گا کہ مقصد کتنا کم زور ہے کہ بغیر ان کارروائیوں
 کے پایہ ثبوت تک پہنچایا ہی نہیں جاسکتا۔

یہ تھکی حقیقت اس دعوے کی کہ ”قاتلان حسینؑ کے شیعہ کہنے کی

بنیاد کتب شیعہ پر ہے۔
 معلوم ہو گیا کہ کتب اہل سنت ہی قاتلانِ حیدرؑ کو شیعہ بتلانے میں
 ہم آواز ہیں اور نہ کتب شیعہ ہی اس میں ہم ساز۔ اُن کے شیعہ ثابت کرنے کی سعی
 ناکام ہے اور ہمیشہ ناکام رہے گی چاہے اس میں کتنی ہی کوشش صرف کی جاے

وَحُجَّتُ الْبَالِغَةِ عِنْدَ بَابِ السَّلَامِ

علی نقی النقوی عفی عنہ
 ۱۳ رذی الحجہ ۱۳۵۷ھ

<http://www.slideshare.net/changezi>

<http://alinaqinaqvi.blogspot.in/>

<http://youtube.com/user/mahakavi>